ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

مئی 2024 – شوال المکرّم 1445ھ (جلد 21 شمارہ 10)

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال......بارش کے باوجود زمینی پیداوار میں کمی و بے برکتی.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط50)...............مشورہ کا حکم اور اس کی حیثیت......// // 6

درسِ حدیث....قیامت سے قبل عیسائیوں کی کثرت، مسلمانوں کی بے وقعتی....// // 16

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات...مفتی محمد رضوان 22

علم کے مینار: ....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (سترہواں حصہ)....................................مفتی غلام بلال 31

تذکرۂ اولیاء: ....پاکستان میں مسئلہ ٹیکس اور

خلافتِ عمر سے اس کا حل (قسط5).......................................مولانا محمد ریحان 35

پیارے بچو!.................کہانی دل کی زبانی (تیسری وآخری قسط)..............// // 38

بزمِ خواتین ...ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:15).....مفتی طلحہ مدثر 40

آپ کے دینی مسائل کا حل ....تکفیر بازی ومغالطاتِ

سلفی کا جائزہ (قسط19)..ادارہ 43

کیا آپ جانتے ہیں؟........................اللہ کو راضی کئے بغیر، کفار کے

خلاف کامیابی ممکن نہیں...مفتی محمد رضوان 49

عبرت کدہ ....حضرت موسیٰ اور خضر (حصہ اول)......مولانا طارق محمود 56

طب وصحت......بھول، نسیان اور اختلاط کا مرض اور اس کا علاج.....حکیم مفتی محمد ناصر 59

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز.........................// // 61

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

بارش کے باوجود زمینی پیداوار میں کمی و بے برکتی

آج جہاں قربِ قیامت کے بہت سے دیگر فتنے ظاہر ہورہے ہیں، ان میں سے ایک اہم فتنہ یہ ہے کہ یا تو بارانِ رحمت، یعنی بارش بالکل بھی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے طرح طرح کی آزمائشوں اور بیماریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور اگر بارش ہوتی ہے، تو رحمت کے بجائے زحمت کا باعث ہوتی ہے، بارش کے باوجود خشک سالی اور پیداوار کی کمی دور نہیں ہوتی، بارش کا پانی تیزی سے گزر جاتا ہے، زمین کو جذب کرنے کا موقع ہی حاصل نہیں ہوتا، بسا اوقات تو بارش کے سیلاب کا ریلا کھڑی فصل، اور درختوں کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے، اور بعض اوقات فصل تیار اور کٹنے کے قریب ہوتی ہے کہ ایسے وقت بارش ہونے سے وہ خراب و ناکارہ ہوجاتی ہے، اور سیلاب سے مزید بھی کئی قسم کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے۔احادیث میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تُمْطِرُ السَّمَاءُ مَطَرًا وَلَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ (المستدرک للحاکم،رقم الحدیث۸۵۶۷) [1]

ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آسمان سے بارش نازل ہوگی، لیکن زمین سے پیداوار نہیں ہوگی (مستدرک حاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُمْطَرَ النَّاسُ مَطَرًا عَامًّا، وَلَا تَنْبُتَ الْأَرْضُ شَيْئًا(مسند احمد،رقم الحدیث ۱۲۴۲۹) [2]

---

[1] قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ "
وقال الذھبی فی التلخیص:صحیح

[2] قال شعیب الارنؤوط:صحیح، وھذا إسناد ضعیف(حاشیۃ مسند احمد)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک سال بھر بارش نازل ہونے کے باوجود زمین سے کچھ بھی پیداوار نہ ہو

(مسنداحمد)

اگرچہ ابھی اس قسم کی عمومی حالت پیدا نہیں ہوئی، لیکن اس حالت کے آثار وقتاً فوقتاً دنیا بھر میں بکثرت ظاہر ہورہے ہیں۔

بعض احادیث میں قحط سالی وزمینی پیداوار میں کمی، اور بارش نہ ہونے جیسی آفات وبلیات کوجنم دینے والے گناہوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَقَالَ" :يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ، خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ :لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا .وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ.

وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا.

وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ.

وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ، إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ(سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث ۴۰۱۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہوجاؤ اور میں اللہ کی پناہ مانگتا

[1] قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

www.idaraghufran.org

ہوں، اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو۔

اور وہ چیزیں یہ ہیں کہ جس قوم میں بھی اعلانیہ طور پر فحاشی (و بے حیائی) ہونے لگے، تو اس میں طاعون (وبائی اور متعدی بیماریاں) اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں۔

اور جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے، تو وہ قحط سالی، اور طرح طرح کے مصائب اور حکمرانوں کے ظلم وستم میں مبتلاء کردی جاتی ہے۔

اور جب کوئی قوم اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتی، تو ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں، تو ان پر کبھی بھی بارش نہ برسے۔

اور جو قوم بھی اللہ اور اس کے رسول کے عہد (اور پختہ احکام) کو توڑتی ہے، تو ان پر اللہ غیروں کو مسلط فرمادیتا ہے، وہ دشمن اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں، پھر وہ ان کے مال ودولت کو چھین لیتے ہیں۔

اور جب مسلمان حکمران، کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، بلکہ اللہ کے نازل کردہ نظام میں (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کرلیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں) تو اللہ اس قوم کو خانہ جنگی اور باہمی اختلافات میں مبتلا فرمادیتا ہے (ابنِ ماجہ)

مذکورہ حدیث میں بیان کردہ گناہ، موجودہ دور میں عام ہوتے جارہے ہیں، جن کے وبال سے آج دنیا دوچار ہے، چنانچہ ذرائعِ ابلاغ اور میڈیا کے ذریعہ فحاشی وبے حیائی گھر گھر پہنچ چکی ہے، اور شاید ہی کوئی فردِ بشر اب اس سے بچارہ گیا ہو، ناپ، تول میں کمی اور ملاوٹ کا گناہ بھی ہر شعبۂ زندگی میں ناسور کی طرح پھیل گیا ہے، زکاۃ پوری طرح اداء نہ کرنے کا گناہ بھی عام ہوتا جارہا ہے، اور اللہ کے پختہ احکام کو توڑنے کا گناہ بھی عام ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں پر دشمنوں کا تسلط وغلبہ ہے، اور مسلمان حکمران، اللہ کے فیصلوں پر عمل نہیں کرتے، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں نہ ختم ہونے والے مذہبی، معاشرتی وسیاسی اختلافات کی بھرمار ہے۔

اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط50،آیت نمبر159) مفتی محمد رضوان

مشورہ کا حکم اور اس کی حیثیت

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ(159)

ترجمہ: اور مشورہ کیا کیجئے آپ ان (لوگوں) سے کام میں، پھر جب پختہ ارادہ کرلیں آپ، تو توکل کیجیے آپ اللہ پر، بے شک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے

(159)(سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے، قابلِ غور معاملات میں مشورہ کرنے، یعنی ان حضرات کی رائے معلوم کرنے کا حکم فرمایا ہے، جن میں حکومت کے متعلقہ معاملات بھی شامل ہیں۔

اور پھر اللہ نے فرمایا کہ مشورہ کرنے کے بعد یہ جب آپ اس کام کا عزم کرلیں، تو اللہ پر توکل کر کے اس کام کو کر گذریے، بے شک اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے، جو اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی قابلِ غور معاملہ میں مشورہ کرلیا گیا، تو مشورہ دینے والوں کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب اس پر عمل کرنے کا اختیار آپ کو ہے، جس پہلو پر اطمینان ہو، اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس پر عمل کیجیے، اللہ کی مدد ونصرت شاملِ حال ہوگی۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کرسکتا ہے، خواہ اکثریت کے مطابق ہو، یا اقلیت کے مطابق ہو، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا، اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے اطمینان کا سبب بن سکتا ہے۔

www.idaraghufran.org

البتہ بعض حضرات نے فرمایا کہ’’قوتِ دلیل کی بناء پر کثرتِ رائے کونظرانداز کیا جاسکتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ بلادلیل کثرت کونظرانداز کردیا جائے،بلادلیل کثرتِ رائے کونظرانداز کرنا جائز نہیں‘‘(دستورِاسلام مع نظامِ اسلام صفحہ۶۲)

قرآن مجید کی بعض دوسری آیات میں بھی مختلف طریقوں پر مشورہ کاذکرآیا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (سورة البقره ،رقم الآية ۲۳۳)

ترجمہ: پھر اگر ماں باپ دوسال سے کم میں (بچے کا)دودھ چھڑانا چاہیں، باہمی رضامندی اور مشورے سے،تو بھی ان دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت میں ماں کا دودھ پینے والا بچہ کا دوسال کی عمر سے پہلے دودھ چھڑانے کی صورت میں میاں بیوی کے باہمی مشورہ کاذکر کیا گیا ہے۔

اورسورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ:

” وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ“ (سورة الشورىٰ ،رقم الآية۳۸)

ترجمہ: اورجن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانااوروہ نماز کے پابند ہیں ،اوران کاہر(اہم) کام(جس میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم متعین نہ ہو)آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے(سورہ شوریٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ قابلِ غوروفکرامور میں باہمی مشورہ کرنا،اللہ کے پسندیدہ اور سچے مومنوں کی نشانی ہے۔

ملکۂ بلقیس کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کاوہ خط پہنچا،جس میں انہوں نے ملکۂ بلقیس کوتبلیغ اوردعوت دی تھی،توملکۂ بلقیس نے اس سلسلے میں اپنے اہلِ دربار سے مشورہ کیا تھا،جس کاذکراللہ تعالیٰ نے اس انداز میں فرمایا ہے کہ:

قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ. مَاكُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ.

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِىْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ (سورۃ النمل رقم الآیۃ ۳۲و۳۳)

ترجمہ: کہا اس (ملکہ) نے کہ اے حکمرانوں! تم رائے دو مجھ کو میرے اس معاملے میں، میں نہیں کرتی کسی بات کا قطعی فیصلہ، یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو، کہا انہوں نے کہ ہیں ہم قوت والے، اور شدید پکڑ والے اور (آگے) امر (واختیار) تمہاری طرف ہے۔

پس دیکھ لو تم، کیا حکم دیتی ہو تم (سورہ نمل)

معلوم ہوا کہ قابلِ غور وفکر، اور بطور خاص حکومتی سطح پر پیش آنے والے امور میں وزراء ورفقاء سے مشورہ کرنے، اور مشورہ کے بعد فیصلہ کرنے میں اختیار ہونے کا سلسلہ بہت قدیم سے چلا آتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اہمیت کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ كَانَ أَكْثَرَ مَشُوْرَةً لِأَصْحَابِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۹۲۸) [1]

ترجمہ: میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے اصحاب سے کثرت سے مشورہ کرتا ہو (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ النَّاسَ يَوْمَ بَدْرٍ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۳۲۹۶) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن لوگوں سے مشورہ فرمایا (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَشَارَ الْمُسْلِمِينَ فِيمَا يَجْمَعُهُمْ عَلَى

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد -وهو ابن سلمة -فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

الصَّلَاةِ، فَقَالُوا :الْبُوقُ، فَكَرِهَهُ مِنْ أَجْلِ الْيَهُودِ، ثُمَّ ذُكِرَ النَّاقُوسُ، فَكَرِهَهُ مِنْ أَجْلِ النَّصَارَى، فَأُرِيَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ النِّدَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ :عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَطَرَقَهُ الْأَنْصَارِيُّ، " فَأَمَرَ بِهِ بِلَالًا فَأَذَّنَ بِهِ(مسند ابی یعلیٰ،رقم الحدیث ۵۵۰۳) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے نماز کے لئے جمع کئے جانے والی چیز کے متعلق مشورہ طلب کیا، تو لوگوں نے کہا کہ بوق (یعنی سینگ) بجادیا جایا کرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہودیوں کی (مشابہت کی) وجہ سے ناپسند کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ (کی مشابہت) کی وجہ سے ناپسند کیا، پھر اسی رات ایک انصاری صحابی، جن کا نام عبداللہ بن زید تھا اور حضرت عمر کو اذان دکھائی گئی، تو انصاری رات ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی (ابویعلیٰ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“قَالَ :أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا(المستدرک للحاکم،رقم الحدیث ۴۴۳۶) [2]

ترجمہ: اللہ عزوجل کے (سورہ آلِ عمران میں مذکور) اس قول میں کہ:

”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“

مشورہ کیے جانے والے افراد سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما (بطورِ خاص) مراد ہیں (حاکم)

اورامام بخاری نے اپنی تالیف ''الادب المفرد''میں عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ:

قرأ ابن عباس: وشاورهم في بعض الأمر(الادب المفرد،رقم الحدیث ۲۵۷) [3]

---

[1] قال حسين سليم أسد الداراني: إسناده صحيح(حاشیۃ مسند ابی یعلیٰ)

[2] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم

[3] قال الألباني: صحيح(حاشیۃ الادب المفرد)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح قرائت کی کہ:

”وَشَاوِرْهُمْ فِي بعض الْأَمْرِ“

یعنی اے رسول! آپ بعض امور میں لوگوں سے مشورہ کیجئے (الادب المفرد)

مطلب یہ ہے کہ تمام امور میں مشورہ کرنے کا حکم نہیں، بلکہ بعض امور میں ہی مشورہ کا حکم ہے، اور وہ امور وہی ہیں، جن کے متعلق شریعت کا واضح حکم پہلے سے موجود نہ ہو، اور وہ قابلِ غور ومشورہ ہوں۔

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ابنِ شبرمہ سے روایت کیا ہے کہ:

عن الحسن، في قوله (وشاورهم في الأمر) (آل عمران) قال: علم الله سبحانه ما به إليهم من حاجة، ولكنه أراد أن يستن به من بعده (السنن الصغير للبيهقي، رقم الحديث ٣٢٤٨)

ترجمہ: حضرت حسن بصری نے سورہ آلِ عمران میں مذکور اللہ تعالیٰ کے قول:

”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“

کے بارے میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اللہ نے یہ چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اس سنت کو اختیار کیا جائے (بیہقی)

اور ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مشورہ کا اسی لئے حکم فرمایا ہے کہ اللہ کے علم میں مشورہ کی فضیلت واہمیت موجود تھی“ [1]

امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَتِ الْأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَشِيرُونَ الْأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْأُمُورِ الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا، فَإِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ أَوِ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ، اقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری، ج۹ص۱۱۲، کتاب الاعتصام، باب قول الله وامرهم شوری بينهم)

---

[1] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: مَا أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ صلى الله عليه وسلم بِالْمُشَاوَرَةِ إِلَّا لِمَا يَعْلَمُ فِيهَا مِنَ الْفَضْلِ، ثُمَّ تَلَا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ٢٦٧٩٨، في المشورةِ من أمر بها)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے، ائمہ اور حکمران، اہلِ علم امانت دار لوگوں سے جائز کاموں میں مشورہ کیا کرتے تھے، تاکہ وہ کام کے سہولت والے پہلو کو اختیار کریں، اور جب قرآن سنت سے کوئی بات واضح ہو جاتی، تو وہ اس سے نہیں ہٹا کرتے تھے (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَتَبَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ فِيْ أَمْرِ الْحَرْبِ فَعَلَيْكَ بِهٖ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٤٦) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف یہ لکھ کر بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے معاملہ میں مشاورت فرماتے تھے، تو آپ پر بھی ایسا کرنا ضروری ہے (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :الْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَالثَّيِّبُ تُشَاوَرُ "، قِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي قَالَ " :سُكُوتُهَا رِضَاهَا (مسند احمد.رقم الحديث ٧١٣١) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نکاح کے معاملہ میں) باکرہ (غیر شادی شدہ) لڑکی سے اس کی رائے معلوم کی جائے گی، اور ثیبہ (یعنی بیوہ، یا مطلق) عورت سے مشورہ کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا کہ باکرہ لڑکی حیاء وغیرت کرتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس باکرہ لڑکی کا خاموش رہ جانا بھی اس کی رضا مندی میں داخل ہے (مسند احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله قد وثقوا(مجمع الزوائد، ج٥ص ٣١٩،باب المشاورة في الحرب)

[2] قال شعيب الأرنؤوط: حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :-إِذَا اسْتَشَارَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، فَلْيُشِرْ عَلَيْهِ(سنن ابن ماجه،رقم الحديث ٣٧٤٧) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی سے اس کا مومن بھائی مشورہ طلب کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو مشورہ دے دے(مشورہ دینے میں کوتاہی نہ کرے)(ابنِ ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسولُ الله -صلى الله عليه وسلم " :-الـمُستشَارُ مؤتَمَنٌ(سنن أبی داود،رقم الحديث ٥١٢٨،باب فی المَشُورة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ طلب حاصل کیا جاتا ہے، وہ امانت کا حامل ہوتا ہے(سنن ابی داود)

اورحضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِی -صلى الله عليه وسلم -قَالَ" :اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان،رقم الحديث ١٩٩١،باب المستشار مؤتمن) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ طلب حاصل کیا جاتا ہے، وہ امانت کا حامل ہوتا ہے(موارد الظمآن)

حضرت سعید بن میّب سے مرسل طریقہ پر مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :لَنْ يَهْلَكَ امْرُؤٌ بَعْدَ مَشُورَةٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،رقم الحديث ٢٦٧٩٦،فِی المشورةِ من أمر بها)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشورہ کرنے کے بعد ہرگز وہ مشورہ کرنے والا شخص ہلاک نہیں ہوگا(مصنف ابنِ ابی شیبہ)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف، ابن أبی ليلى -واسمه محمَّد بن عبد الرحمن- سیء الحفظ، وقد توبع(حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] قال شعيب الأرنؤوط:إسناده صحيح(حاشية سنن ابی داود)

[3] قال شعيب الأرنؤوط:إسناده حسن(حاشية موارد الظمآن)

www.idaraghufran.org

یزید بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ:

عَنْ مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ، أَنَّهُ قَامَ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالَ " :يَا ابْنَ عَمِّى، أُكْرِهْنَا عَلَى الْقَضَاءِ , "فَقَالَ زَيْدٌ " :اقْضِ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللهِ ,فَفِي سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَادْعُ أَهْلَ الرَّأْيِ ,ثُمَّ اجْتَهِدْ وَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ ,وَلَا حَرَجَ (السنن الكبرى،للبيهقى،رقم الحديث ۲۰۳۴۵) [1]

ترجمہ: مسلمہ بن مخلد کہتے ہیں کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہوے اور کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی ! ہمیں قضاء پر مجبور کردیا گیا ہے (ایسے میں ہم کیا کریں) تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرو، پھر اگر اللہ کی کتاب میں وہ حکم نہ ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں جو اس کا حکم ہو (اس کے مطابق فیصلہ کرو) پھر اگر وہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہو، تو تم اہلِ رائے کو دعوت دو، پھر خود اجتہاد کر کے اپنے لئے کوئی چیز اختیار کرو، اوراس میں حرج نہیں (سنن کبریٰ بیہقی)

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ إِلَّا هُدُوا لِأَرْشَدِ أَمْرِهِمْ (مصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۲۶۸۰۰،فِي المشورةِ من أمر بها)

ترجمہ: جولوگ بھی مشورہ کرتے ہیں، ان کو ان کے معاملہ کے سب سے بہتر پہلو کی توفیق عطاء کی جاتی ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ)

حضرت شعبی کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي شَيْءٍ فَانْظُرْ كَيْفَ صَنَعَ فِيهِ عُمَرُ فَإِنَّهُ كَانَ لَا يَصْنَعُ شَيْئًا حَتَّى يَسْأَلَ وَيُشَاوِرَ (مصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۲۶۷۹۹،فِي المشورةِ من أمر بها)

ترجمہ: جب لوگ کسی چیز میں اختلاف کریں، تو تم یہ دیکھو کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے مقع

[1] قال الالبانی: وإسناده صحيح (سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۴۸۵۵)

www.idaraghufran.org

پر کیا طرزِ عمل اختیار کیا، کیونکہ حضرت عمر، اس وقت تک کوئی کام نہیں کرتے تھے، جب تک کہ اس کے بارے میں سوال، اور مشورہ نہیں کرلیا کرتے تھے (مصنف ابنِ ابی شیبہ)

اب مشورہ سے متعلق چند اہم امور ذکر کئے جاتے ہیں۔

''شوریٰ'' کے معنیٰ عربی لغت میں ''مشورہ کرنے'' کے آتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦، ص ٢٧٩، مادة''شوریٰ'')

مشورہ کسی قابلِ غور معاملہ میں مختلف آراء حاصل کرنے کا نام ہے۔

مشورہ کے واجب ہونے، یا سنت ومستحب ہونے میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک مشورہ کرنا واجب ہے۔

لیکن بعض دوسرے حضرات کے نزدیک مشورہ کرنا، سنت ومستحب ہے (ایضاً، ص ۲۸۰)

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قابلِ مشورہ امور میں مشورہ کرنا واجب تھا، یا نہیں؟ بعض حضرات واجب کہتے ہیں، بعض غیر واجب کہتے ہیں (ایضاً، ص ۲۸۰)

اس بارے میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ جس چیز کا حکم شریعت کی طرف سے منصوص وطے شدہ ہو، اس کے لئے شریعت کا حکم وہی ہے، اور اس کے برخلاف مشورہ کرنا جائز نہیں (ایضاً، ص ۲۸۱و۲۸۲)

جن امور کا تعلق قضاء اور فیصلہ کے قبیل سے ہو، اور ان میں فقہاء کا اختلاف ہو، ان کے متعلق قاضی کو اہلِ علم سے مشورہ کرنا مستحب ہے۔

لیکن جن چیزوں کا حکم قرآن وسنت، اجماعِ امت، یا قیاسِ جلی سے واضح ہو، وہ چیزیں محلِ مشورہ شمار نہیں ہوتیں (ایضاً، ص ۲۸۲و۲۸۳)

جس شخص، یا جن اشخاص سے مشورہ کیا جائے، ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہی مشورہ دیں، جو وہ امانت ودیانت داری کے لحاظ سے مفید سمجھتے ہوں، اس میں مشورہ دینے والے کو خیانت کرنا جائز نہیں (ایضاً، ص ۲۸۳و۲۸۴)

کسی حکمران کو اپنے فوت ہونے کے بعد دوسرے کو حکمرانی وخلافت کا عہدہ سپرد کرنے کے لئے چند لوگوں پر مشتمل شوریٰ قائم کرنا جائز ہے، تاکہ وہ اس حکمران کے فوت ہونے کے بعد باہمی مشورہ سے اپنے میں سے کسی کو خلافت کا عہدہ سپرد کرنے کی تجویز کرے۔

تاہم حکمرانی کومنعقد کرنے کے لئے اس طرح کی شوریٰ کا قائم کرنا شرط نہیں۔

اورحکمران کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس شخص کواپنی خلافت کے لئے مناسب سمجھے،اس کا نام تجویز کرے،بشرطیکہ جس کا نام تجویز کرے،وہ اس کا والد،یااولاد نہ ہو۔

اوراس صورت میں اہلِ اختیارلوگوں کا اس شخص کی خلافت پرراضی ہونا شرط ہے،یانہیں؟اس میں اختلاف ہے،اوراس میں دونوں قسم کے اقوال ہیں۔

(ایضاً،ص ۲۸۴)

اور اگرحکمران کی طرف سے خلافت کے لئے تجویز کیا ہوا شخص،اس حکمران کا بیٹا،یا والد ہو،تو حکمران کواہلِ اختیار سے مشورہ کئے بغیراس کی خلافت کوتجویز کرنے میں تین اقوال ہیں۔

پہلاقول اہلِ اختیار سے مشورہ کئے بغیرناجائز ہونے کا،دوسراقول جائز ہونے کا،اورتیسراقول والد کے لئے جائز ہونے،اوراولاد کے لئے ناجائز ہونے کا ہے۔

(ایضاً،ص ۲۸۴و ۲۸۵)

مشورہ سے متعلق مزید تفصیل ہماری تالیف ’’مشورہ واستخارہ کے فضائل واحکام‘‘میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

قیامت سے قبل عیسائیوں کی کثرت، مسلمانوں کی بے وقعتی

احادیث میں قربِ قیامت کے فتنوں اور نشانیوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں رومیوں اور عیسائیوں کی کثرت ہوگی، اور اس زمانہ میں مسلمان اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے گھاس پھونس اور کوڑے کرکٹ کی طرح انتہائی کمزور اور ناکارہ ہوں گے۔

اس موضوع پر چند احادیث وروایات نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت مستورد قرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :تَقُومُ السَّاعَةُ وَالرُّومُ أَكْثَرُ النَّاسِ فَقَالَ لَهُ عَمْرٌو :أَبْصِرْ مَا تَقُولُ، قَالَ :أَقُولُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :لَئِنْ قُلْتَ ذَلِكَ، إِنَّ فِيهِمْ لَخِصَالًا أَرْبَعًا :إِنَّهُمْ لَأَحْلَمُ النَّاسِ عِنْدَ فِتْنَةٍ، وَأَسْرَعُهُمْ إِفَاقَةً بَعْدَ مُصِيبَةٍ، وَأَوْشَكُهُمْ كَرَّةً بَعْدَ فَرَّةٍ وَخَيْرُهُمْ لِمِسْكِينٍ وَيَتِيمٍ وَضَعِيفٍ، وَخَامِسَةٌ حَسَنَةٌ جَمِيلَةٌ :وَأَمْنَعُهُمْ مِنْ ظُلْمِ الْمُلُوكِ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۲۸۹۸ "۳۵")

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت قائم ہونے کے قریب "رومی" (یعنی عیسائی) لوگ زیادہ ہوں گے۔

مستورد قرشی رضی اللہ عنہ سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اس کے جواب میں مستورد قرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وہی بات بتلا رہا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو، تو اسی طرح ہوگا، یاد رکھو کہ

www.idaraghufran.org

ان (رومیوں اور عیسائیوں) میں چار (اچھی) خصلتیں وعادتیں پائی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ فتنہ(وآزمائش) کے وقت دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں حلم وبردباری زیادہ رکھتے ہیں، دوسرے مصیبت کے بعد اس کا سب سے زیادہ سرعت وصبر سے ازالہ کرنے والے ہیں، تیسرے یہ لوگ بھاگنے کے بعد سب سے زیادہ تیزی سے پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں، چوتھے مسکین، یتیم اور کمزور کے لئے سب سے زیادہ خیر والے ہیں، اور پانچویں خصلت وعادت تو نہایت ہی عمدہ وخوبصورت ہے، جو یہ ہے کہ وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ حکمرانوں کو ظلم سے روکنے والے ہیں (صحیح مسلم)

معجم طبرانی کبیر میں حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ :تَقُومُ السَّاعَةُ وَالرُّومُ أَكْثَرُ النَّاسِ ، قَالَ : انْظُرْ مَا تَقُولُ؟ قَالَ :لَا أَقُولُ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ أَسْلَافًا، وَتَبْقَى حُثَالَةٌ كَحُثَالَةِ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ، لَا يُبَالِي اللهُ بِهِمْ(المعجم الكبير للطبرانی،رقم الحدیث ۷۳۷)

ترجمہ: حضرت مستورد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قیامت قائم ہونے کے وقت رومیوں (یعنی عیسائیوں) کی کثرت ہوگی۔

اس پر عمرو بن عاص نے فرمایا کہ آپ دیکھ لو کیا بات کہہ رہے ہو(یعنی یہ قیامت سے پہلے کی بات ہے، جو ہمارے لئے غیب کی بات ہے، جس میں بہت احتیاط ضروری ہے) تو حضرت مستورد نے فرمایا کہ میں وہی بات کہہ رہا ہوں، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، نیک صالح لوگ ایک ایک کرکے گزر جائیں گے، اور ''کھجور'' اور ''جو وگندم'' کے بھوسے کی طرح (یعنی بے کار وناکارہ) لوگ رہ جائیں گے، جن کی اللہ کوئی پروانہیں کرے گا(طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے جب اچھی عادتوں وخصلتوں والے عیسائیوں کی کثرت ہوگی، اور اس وقت مسلمانوں کے اکثر نیک لوگ فوت ہو چکے ہوں گے، اور اکثریت ایسے

www.idaraghufran.org

مسلمانوں کی باقی رہ جائے گی، جو ناکارہ اور فضول ہوں گے، اور اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہوگی، اس لئے اگر وہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہوں، تو کوئی بعید نہیں۔

آج یہی صورتِ حال ہمارے سامنے ہے۔

حضرت مُرداس اسلمی رضی اللہ عنہ، جو اصحابِ شجرہ صحابہ میں سے تھے، ان سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

يُقْبَضُ الصَّالِحُونَ، الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ، وَتَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ، لَا يَعْبَأُ اللَّهُ بِهِمْ شَيْئًا (صحيح البخارى، رقم الحديث ٤١٥٦)

ترجمہ: نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے، اور کھجور، اور جو وگندم کے فضلہ و بھوسی کی طرح کے (فضول ولایعنی) لوگ باقی رہ جائیں گے، جن کی اللہ، ذرا بھی پروا نہیں کرے گا (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ؟ "قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ ذَلِكَ ؟ قَالَ " : إِذَا مَرِجَتْ عُهُودُهُمْ وَأَمَانَاتُهُمْ، وَكَانُوا هَكَذَا "وَشَبَّكَ يُونُسُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، يَصِفُ ذَاكَ، قَالَ :قُلْتُ :مَا أَصْنَعُ عِنْدَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ " :اتَّقِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَخُذْ مَا تَعْرِفُ، وَدَعْ مَا تُنْكِرُ، وَعَلَيْكَ بِخَاصَّتِكَ، وَإِيَّاكَ وَعَوَامَّهُمْ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٥٠٨)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا بنے گا، جب تم بے کار اور کم ترین لوگوں میں رہ جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ کیسے ہوگا؟ تو اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عہد معاہدوں اور امانتوں میں فساد وبگاڑ پیدا ہوجائے گا، اور لوگ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہوجائیں گے، یونس راوی نے (یہ بات سمجھانے کے لیے) دونوں

www.idaraghufran.org

ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا۔

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس وقت میرے لیے کیا حکم ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا، اور نیک کاموں کو کرتے رہنا، اور برے کاموں سے بچتے رہنا، اور اپنے خاص خاص لوگوں سے تعلق کو محدود رکھنا، اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو بچانا (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : كَيْفَ أَنْتَ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ "، قَالَ :وَذَاكَ مَا هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ " :ذَاكَ إِذَا مَرِجَتْ أَمَانَاتُهُمْ وعهودهم، وصاوروا هَكَذَا "وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، قَالَ :فَكَيْفَ بِي يا رسول الله؟ قال" :تعلم مَا تَعْرِفُ، وَدَعْ مَا تُنْكِرُ، وَتَعْمَلُ بِخَاصَّةِ نفسك، وتدع عوام الناس (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۹۵۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ! تمہارا اس وقت کیا بنے گا، جب تم بے کار اور کم ترین لوگوں میں رہ جاؤ گے؟ ابو ہریرہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ کیسے ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ان لوگوں کی امانتوں اور عہد معاہدوں میں فساد و بگاڑ پیدا ہو جائے، اور لوگ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائیں، اور یہ بات سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا۔

ابو ہریرہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس وقت میرے لیے کیا حکم ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود ان چیزوں کا علم حاصل کرنا، جو نیکی والی ہیں، اور برے کاموں سے بچتے رہنا، اور خاص اپنی ذات کی حد تک عمل کرتے رہنا، اور عوام الناس کو چھوڑ دینا (صحیح ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ حالت ہوجائے گی کہ فضول وبے کار لوگوں کی تعداد ومقدار بڑھ جائے، تو اس وقت ان کو حق بات سننا، اور قبول کرنا گوارا نہ ہوگا، اور ایسی صورت میں تبلیغِ عام کے بجائے، تبلیغِ محدود مناسب ہوگی۔

ناکارہ اور بے کار لوگوں، بلکہ شریر ترین پر قیامت قائم ہونے کا کئی احادیث میں ذکر آیا ہے۔

حضرت عِلباء سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى حُثَالَةِ النَّاسِ (مسند احمد،رقم الحديث ١٦٠٧١)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں قائم ہوگی، مگر بے کار وناکارہ لوگوں پر (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً وَلَا الْمَالُ إِلَّا إِفَاضَةً، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارٍ مِنْ خَلْقِهِ (المستدرک للحاکم،رقم الحديث ٨٣٥٩) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ برابر (دین کا) معاملہ شدید ہوتا جائے گا، اور برابر مال جاتا جائے گا (مال کی برکت ختم ہوتی جائے گی) اور قیامت شریر ترین لوگوں پر ہی قائم ہوگی (حاکم)

یعنی جتنی قیامت قریب ہوتی جائے گی، اسی اعتبار سے دین پر عمل کرنا دشوار ہوتا جائے گا، اور دنیا اور مال ودولت کی برکت گھٹتی اور ختم ہوتی جائے گی، اور لوگوں کے دلوں میں مال کی محبت، اور بخل وکنجوسی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، جیسا کہ دوسری روایات میں وضاحت آئی ہے۔ [2]

---

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ "
وقال الذهبي في التلخيص:صحيح

[2] عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا يزداد الأمر إلا شدة, ولا الدنيا إلا إدبارا, ولا الناس إلا شحا, ولا تقوم الساعة إلا على شرار الناس(السنن الواردة فی الفتن، للدانی،رقم الحديث ٤٠٩)

www.idaraghufran.org

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں نصاریٰ کا تسلط ہوگا۔

ایک مرید نے عرض کیا وہ یہی نصاریٰ ہیں، یا اور ہوں گے۔

فرمایا غالبًا یہی ہوں گے، کیونکہ اہلِ اسلام میں ظلم نہایت درجہ شائع ہوگیا ہے، اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ بھی سکتا ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔

آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! اہلِ فارس تمہارے ساتھ ایک دو ٹکر، یعنی مقابلہ کریں گے، پھر غائب ہوجائیں گے، چنانچہ یہی ہوا۔

اور فرمایا تھا کہ اہلِ روم، یعنی نصاریٰ یکے بعد دیگرے جماعت، جماعت مقابلہ کریں گے، کیونکہ یہ صابر ہیں، اور آہستہ آہستہ کام کرتے ہیں، اور کتنا عرصہ باقی ہیں (ملفوظات شاہ عبدالعزیز، اردو، ص ۹۶، ناشر: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹیڈ، کراچی، سنِ اشاعت: ۱۹۶۰ء)

www.idaraghufran.org

مفتی محمد رضوان

مقالات ومضامین

افادات وملفوظات

ذکراور وظائف کے دوران بات چیت کا حکم

(23-شعبان-1445ھ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

آج کل لوگوں کو اپنے وظائف کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ ان میں بولنا گناہ سمجھتے ہیں، بس ایسی چپ سادھ کر بیٹھتے ہیں کہ چاہے کچھ ہی ہوجائے، بولنا جانتے ہی نہیں۔

یادرکھو یہ سخت غلطی ہے، ضرورت کے وقت بات چیت کرنا، ذکر وغیرہ سے افضل ہے (اشرف الاحکام، ص ۶۸ ''علم وعمل کے احکام'' بحوالہ ''ترک مالا یعنی، ص ۱۷ و ۱۸'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

بالکل سچ فرمایا، آج کل بعض لوگ اس چیز میں بہت غلو کرتے ہیں، اور وہ کسی بزرگ کے بتائے ہوئے وظیفہ کے دوران ضروری بات چیت کرنے کو بھی گناہ سمجھتے ہیں، یا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وظیفہ کے دوران بات چیت کرنے سے وظیفہ ضائع ہوجاتا ہے، بلکہ وظیفہ بتلانے والے بعض بزرگ بھی وظیفہ کے دوران بات چیت کرنے کو ناجائز قرار دیدیتے ہیں، جس کے بعد وظیفہ کرنے والے کا اس بات پر عقیدہ پختہ ہوجاتا ہے۔

حالانکہ ذکراور وظیفہ کے درمیان میں بات چیت نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ذکراور وظیفہ پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ یکسوئی حاصل رہے، یہ وجہ نہیں کہ ذکراور وظیفہ کے دوران بات چیت کرنا اس طرح سے منع ہوجاتی ہو، جس طرح نماز کے دوران منع ہوجاتی ہے، ایسا سمجھنا کم علمی اور جہالت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح کی کم علمی کی باتوں سے حفاظت عطاء فرمائے۔ آمین۔

www.idaraghufran.org

وظائف کی اجازت لینے میں عقیدہ کا بگاڑ

(25-شعبان-1445ھ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وظائف کی اجازت لینے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ کا فساد ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

میں نے ایک شخص سے کہا کہ اجازت تو منصوص نہیں (یعنی قرآن وسنت میں اس کا ذکر نہیں) اور اس کا ثواب بھی نہیں، اور دعاء منصوص ہے، اور اس پر ثواب بھی ہے، اگر دعاء کردوں، تو دل کو ٹٹول کر دیکھ لیا جائے کہ وہ کیفیت نہ ہوگی، جو اجازت میں ہے۔

اجازت کی اصل یہ تھی کہ ایک دفعہ بزرگ وظیفہ سن لیتے تھے، تا کہ غلط نہ پڑھا جائے۔

اب تو مولوی بھی اجازت لیتے ہیں، جو محض رسم اور عقیدہ کا فساد ہے (اشرف الاحکام، ص ۴۷ "عقائد وایمان" بحوالہ "الکلام الحسن، حصہ دوم، ص ۱۰۷" مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

وظائف کی اجازت لینے کے مسئلہ میں بہت سے لوگوں کی طرف سے واقعی آج کے دور میں بہت غلو ہونے لگا ہے، بعض عاملوں نے تو یہ مشہور کر دیا ہے کہ جب تک کسی وظیفہ کی دوسرے ایسے شخص سے اجازت نہ لے لی جائے، جسے کسی دوسرے سے اس وظیفہ کی اجازت ہو، اس وقت تک اس وظیفہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، حالانکہ اوپر معلوم ہو چکا کہ ایسا سمجھنا درست نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عاملوں کی دنیا میں علم کی بہت زیادہ کمی ہے، بلکہ بعض عامل تو یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ عملیات کے شعبہ میں جائز وناجائز اور حلال وحرام کی بحث جاری ہی نہیں ہوتی، اس لئے وہ عملیات کے نام پر کئی ناجائز باتوں کو اختیار کر لیتے ہیں، اور علماء ومفتیان بھی ان کے ناجائز ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتے، جیسا کہ بعض عامل "حاضرات" کے نام پر غیبی باتیں بتلاتے ہیں، مثلاً چور کون ہے، یا کس نے جادو کرایا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ غیب کی باتیں بتلانے اور ان پر یقین کرنے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، اور بڑی سخت

www.idaraghufran.org

وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

اس طرح کی حرکتیں قابلِ اصلاح ہیں، جن کی طرف عاملوں کو متوجہ ہونے اور علماء کو ان کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

حقہ پینے کا حکم

(28- شعبان-1445ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

میرے نزدیک صاف بات یہ ہے کہ یہ (حقہ) ایک دوا ہے، جو حکم اور دواؤں کا ہے، وہی اس کا ہے، یعنی جائز بلا کراہت ہے، مگر اس میں بدبو ہے، سو مسجد میں جانے کے وقت منہ صاف کرے (اشرفُ الاحکام،۲۳۲ ''جدید مسائل کے احکام'' بحوالہ ''مجالسِ حکیم الامت، ص۲۷۸'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع:۱۴۲۴ھ)

حقہ اور بیڑی، سگریٹ، اور نسوار کے بارے میں علمائے زمانہ کی آراء مختلف ہیں، بعض جائز، بعض مکروہ اور بعض حرام تک قرار دیتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص کے استعمال اور طریقۂ کار کے مختلف ہونے سے ان چیزوں کا حکم مختلف ہوسکتا ہے، سب پر یکساں حکم لگانا درست نہیں، بعض لوگوں کے حق میں اس کی حیثیت دوا کی ہوسکتی ہے، لیکن دوا کا اصول بھی یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کیا جائے، اور دوسری خرابیوں سے بھی اجتناب کیا جائے۔

بہرحال اس قسم کے مسائل میں یکساں حکم لگانے اور خاص کر شدت پسندی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مُردوں سے دعاء کی درخواست کرنا، ثابت نہیں

(29- شعبان-1445ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

بعض اولیاء کو مرنے کے بعد قوتِ تصرف عطاء کی جاتی ہے، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ ہم ان کے مزاروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگا کریں، شرعاً یہ بالکل ناجائز ہے۔

ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ان کے وسیلہ سے حق تعالیٰ سے دعاء مانگی جائے، باقی ان سے یہ بھی کہا جائے کہ تم ہمارے واسطے دعاء کرو (یہ جائز نہیں) کیونکہ شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں کہ وہ ایسی دعاؤں کے ماذون ہیں، احادیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جا کر مُردوں کے لئے دعاء کی جائے، یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو احیاء (یعنی زندوں) کی دعاء سے نفع ہوتا ہے، اور اس کے منتظر رہتے ہیں، مگر اس کا کہیں ثبوت نہیں کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ تم ہمارے واسطے دعاء کرو، تو وہ دعاء کر دیتے ہیں (اشرف الاحکام ص ۴۱ و ۴۲ ''عقائد و ایمان'' بحوالہ ''الکمال فی الدین للرجال، ص ۲۲۵'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

معلوم ہوا کہ اولیائے کرام کی قبروں پر جا کر ان سے مرادیں، مانگنا، یا ان سے دعاء کی درخواست کرنا جائز نہیں۔

اولیائے کرام سے مرادیں مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ براہِ راست ان سے اولاد اور اپنی ضروریات وغیرہ کا سوال کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ ہمیں اولاد عطاء کر دیجیے، ہمارے کاروبار، اور ہماری روزی میں برکت کر دیجیے، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی دعاء صرف اللہ سے کی جاسکتی ہے، اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے جائز نہیں۔

اور جہاں تک اولیائے کرام کی قبروں پر جا کر ان سے دعاء کی درخواست کرنے کا تعلق ہے، تو اس کا بھی قرآن وسنت سے ثبوت نہیں ملتا، اس لئے وہ بھی جائز نہیں۔

اور جہاں تک اولیائے کرام کے وسیلہ سے اس طرح دعاء کرنے کا تعلق ہے کہ دعاء تو اللہ ہی سے کی جائے، البتہ ساتھ ہی ان ولیوں کا نام لے کر یہ بڑھا دیا جائے کہ یا اللہ میری اس دعاء کو فلاں نیک بندہ کے طفیل اور برکت سے قبول فرمائیے۔

تو بہت سے علماء کے نزدیک اس طرح کا وسیلہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

لیکن بعض حضرات کے نزدیک اس طرح کا وسیلہ جائز نہیں، ان حضرات کا موقف بھی دلائل کے بغیر نہیں، ان کے پاس اپنے موقف کے دلائل موجود ہیں۔

مگر ہم نے دیکھا کہ آج بعض علماء اس قسم کے مسائل میں بہت شدت اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے حوالہ سے کہیں کوئی قول ملاحظہ کر لیتے ہیں، تو بس اس کو دین کا ایسا ضروری ولازمی حکم سمجھ لیتے ہیں کہ اگر کوئی اس کو قبول نہ کرے، تو اس کو گمراہ کہنے اور سمجھنے لگتے ہیں، اور ساتھ ہی اس کو اپنے مسلک کا مخالف بھی خیال کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ ''وسیلہ'' کے ثبوت پر بہت زور دیتے ہیں، اور جو کوئی اس کا قائل نہ ہو، اسے گمراہ کہتے ہیں، حالانکہ وسیلہ کو بعض بڑے بڑے علماء وفقہاء بھی منع کرتے ہیں، تو کیا ان کو بھی گمراہ کہا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اور بعض لوگ ''سماعِ موتی'' کے قائل ہونے کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ جب مردوں کا سننا ثابت ہے، تو بزرگوں اور ولیوں کی قبروں پر جا کر ان سے دعاء کی درخواست کرنے میں کونسی خرابی ہے؟

حالانکہ اول تو سماعِ موتی کا مسئلہ ہی اختلافی ہے، دوسرے مردوں سے دعاء کی درخواست کا مسئلہ جدا ہے، اور اسی وجہ سے اس کا سماعِ موتی کے مستدلات کی طرح کا ثبوت بھی نہیں۔

اور بعض روایات، یا حکایات جو اس موقف کے مستدل میں پیش کی جاتی ہیں، تو ان کے ثبوت، اور ان کی دلالت میں بہت کچھ کلام کی گنجائش ہے۔

آج کے دور کا بڑا المیہ یہ ہے کہ عوام تو دور کی بات ہے، علماء کا علم بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے، تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بس اپنے بزرگوں سے جو بات بھی مل جائے، اس کو ہی اصل تحقیق سمجھ کر عمر بھر اس کی ایک طرح سے پوجا پاٹ کی جانے لگتی ہے۔ اللہ اس طرزِ عمل سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

تخصیصِ اعتقادی، تخصیصِ عملی سے شدید ہے

(02-رمضان-1445ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اصل میں تخصیصِ اعتقادی ناجائز ہے، اور تخصیصِ عملی، بوجہ تشبہ کے ناجائز ہے، مگر تخصیصِ اعتقادی کے برابر نہیں۔

تو اگر کوئی شخص محض تخصیصِ عملی میں مبتلاء ہو، اور اس کا اعتقاد درست ہو، اس سے الجھنا نہ چاہیے۔

اور جو دونوں میں مبتلاء ہو، اس کے اعتقاد کی اصلاح کرنا چاہیے۔

ہر مولود (یعنی میلاد) خوان سے فوراً بدگمان نہ ہونا چاہیے، ممکن ہے کہ اس کا اعتقاد درست ہو، اور محبتِ رسول کی وجہ سے تخصیصِ عملی میں مبتلاء ہو، جس میں کسی قدر معذور ہو۔

اس لئے اہلِ مولود کو مطلقاً برا سمجھنا اچھا نہیں (انفاسِ عیسیٰ، ص ۳۲۷ ''باب چہارم، ارشادات'')

آج کل بہت سے سادہ لوح مسلمان میلاد کا بہت اہتمام کرتے ہیں، لیکن ان سب کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کا اہتمام ضروری ہے، بس ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور رواجاً ایسا کرتے ہیں، لہٰذا ان سب کو ایک لکڑی ہانک کر عقیدہ کے اعتبار سے بدعتی ہونے کا حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اسی طرح معاشرہ میں بعض دوسری چیزوں کے ساتھ بھی عملی اعتبار سے ضروری عمل جیسا اہتمام ہوتا ہے، جیسا کہ نماز باجماعت کے بعد دعاء کا اہتمام کرنا، اور عیدین کے موقع پر گلے ملنے کا اہتمام کرنا، اور تعزیت کے وقت گلے ملنے اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا اہتمام کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

اور اوپر معلوم ہو چکا کہ ایسی چیزوں پر بدعتِ اعتقادی کا سخت حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نقصان سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا

(03-رمضان-1445ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جھوٹ، بعینہٖ قبیح نہیں ہے، بوجہ اضرار (یعنی ضَرَر پہنچانے کے طور پر) قبیح (اور برا) ہے، اور جب کسی کا اضرار نہ ہو، بلکہ فائدہ ہو، تو قبیح (وبرا) تھوڑا ہی ہے (اشرف الاحکام، ص ۸۷ ''علم وعمل کے احکام'' بحوالہ ''حسن العزیز، ج ۳، ص ۴۳۱'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

نیز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے (اشرف الاحکام ص ٦٦ ''علم وعمل کے احکام''

بحوالہ ''الاضافات الیومیہ، ج ٨، ص ٣٠١'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخ طبع: ١٤٢٤ھ)

معلوم ہوا کہ جھوٹ کا گناہ قبیح لغیرہٖ ہے، اور اسی وقت حرام ہے، جب دوسرے کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا پایا جاتا ہو۔

لیکن جب جھوٹ سے کسی کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو، بلکہ فساد ونقصان کو دور کرنا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کا فائدہ پیش نظر ہو، تو جھوٹ بولنا جائز ہے، تاہم پھر بھی بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر بھی صریح جھوٹ سے پرہیز کیا جائے۔

بہر حال جہاں دوسرے کو دھوکہ دینے کے بجائے اپنے آپ کو نقصان سے بچانا پیشِ نظر ہو، اور اس سے دوسرے کا نقصان لازم نہ آتا ہو، وہاں بعض حضرات کا جھوٹ کو حرام کہنا، اور ایسے موقع پر صرف ''توریہ'' کی گنجائش دینا، ہمارے نزدیک راجح نہیں، بعض اوقات ضرر ونقصان سے بچنے کے لئے جھوٹ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا، یا سچ بولنے کے نتیجے میں غیر معمولی مالی نقصان، یا تکلیف ومشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ بعض اوقات ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لئے جھوٹ بولے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، ایسے وقت جھوٹ بول کر ہی ظالمانہ ٹیکس سے نجات ملتی ہو، تو اس کی گنجائش ہوگی، یا جیسا کہ کسی ڈاکو وغیرہ سے اپنے مال کی حفاظت کی خاطر مال کو چھپائے اور جھوٹ بولے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے، یا اور مال نہیں ہے، یا وہ مال گھر پر موجود نہیں ہے، تو اس کی بھی گنجائش ہوگی۔

صحتِ حدیث معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل کا حکم

(05-رمضان-1445ھ)

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ملفوظات میں ہے کہ:

جب حدیث کی صحت پورے طور پر معلوم ہوجائے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے (ملفوظات

www.idaraghufran.org

شاہ عبدالعزیز، اردو، ص ۱۷۰، ناشر: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹیڈ، کراچی، سنِ اشاعت: ۱۹۶۰ء)

اور مذکورہ ملفوظات میں ہی ہے کہ:

اجتہاد اس موقعہ پر جائز ہے، جہاں حدیث کی بابت صحیح ہونے کا پورا پورا ثبوت نہ مل سکے (ملفوظات شاہ عبدالعزیز، اردو، ص ۱۷۱، ۱۷۲، ناشر: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹیڈ، کراچی، سنِ اشاعت: ۱۹۶۰ء)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو مذکورہ ملفوظ میں بات بیان فرمائی ہے، وہ بڑی اہم ہے، جس کو موجودہ زمانہ کے علماء واہلِ مدارس کو بطورِ خاص ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا یہ موقف ان کے والد ماجد اور دیگر جمہور کے موافق ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ''التفهيماتُ الالٰهية'' میں فرماتے ہیں:

انی اقول لهٰؤلاء المسمين انفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبى صلى الله عليه وسلم باسناد صحيح، وقد ذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين ولا يمنعهم الا التقليد لمن لم يذهب اليه ولهؤلاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدين انهم جميعا على سفاهة وسخافة رأى وضلالة، وان الحق امر بين بين (التفهيمات الالٰهية، ج ا ص ۲۰۹، عدد التفهيم ۶۹، مطبوعة: مدينة برقى پريس، بجنور، يوپى، تاريخ طبع: 1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: جو لوگ اپنے آپ کو فقیہ کہتے ہیں، اور تقلیدِ خالص پر جمے بیٹھے ہیں، ان کے پاس صحیح سند سے مروی کوئی حدیث جب آتی ہے، جس پر فقہائے متقدمین کی ایک بڑی جماعت کا عمل ہوتا ہے، تو یہ تقلید ان کے لیے اس پر عمل کرنے سے مانع بنتی ہے۔

اور یہ ''ظاہری'' جو کہ فقہاء پر نکیر کرتے ہیں، جو کہ علم کا خلاصہ اور اہلِ دین کے مقتداء ہیں، ہر دو کی بابت میرا یہ کہنا ہے کہ یہ سخافتِ رائے اور گمراہی میں پڑے ہیں، اور حق ہر دو کے درمیان ہے (التفہیمات)

www.idaraghufran.org

آج کل ہمارے علماء کئی منصوص مسائل میں، احادیثِ صحیحہ کے خلاف تقلید میں جمود اختیار کرتے ہیں، اور احادیث پر عمل کرنے والے کو غیر مقلد بھی کہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

پھر بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی صاحبِ علم، فقہ حنفی ہی کے اندر اتباعِ حدیث کے صادق جذبہ کے ماتحت ائمۂ ثلاثہ اور مشائخِ حنفیہ کے انہی اقوال کو اختیار کرے، جو اس کے نزدیک ''اوفق بالحدیث'' ہوں، اور اس سلسلہ میں اسے بعض اُن اقوال کو چھوڑنا پڑے، جن کی نسبت فقہ کی کتابوں میں ''ظاهرُ الرواية'' کی طرف کی گئی ہے، یا جن کو ''مفتٰی بہٖ'' بتلایا گیا ہے، تو ''کھرے اور پکے حنفیوں'' کے نزدیک اتنے ہی سے اس کی حنفیت مخدوش ہوجاتی ہے، اس لیے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاہ صاحب آج کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے ''حنفی'' نہیں تھے، تو غلط نہیں کہتا، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حنفی ہی تھے (ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد۷، شمارہ نمبر۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۴۰۳، مضمون ''حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے کام کا مختصر تعارف'' از مدیر منظور نعمانی)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجتہد کا قول، صحیح حدیث کے خلاف ہو، تو اس کی تقلید کے بجائے، حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

بسلسلہ: ارکانِ اسلام

حج کا طریقہ

حج کرنے کا صحیح طریقہ، اور حج سے متعلق مختلف کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ، حج کے مناسک سے متعلق مفصل احکام، احرام اور اس سے متعلق احکام، حج کی تینوں قسموں کے احکام، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، رَمی، طواف، سعی، حلق وقصر، زمزم، حرمین شریفین، مسجدِ حرام، مدینہ منورہ، اور مسجدِ نبوی سے متعلق احکام

مصنّف: مفتی محمد رضوان

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط 39) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (سترھواں حصہ)

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف ومنہج، امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات، شیوخ و اساتذہ اور چند کبار تلامذہ واصحاب کا ذکر کیا گیا، جن کا تعلق دوسری یا تیسری صدی ہجری سے تھا۔ ذیل میں اُن مالکی اصحاب کا ذکر کیا جاتا ہے، جو کہ جدید دور کے علماء واصحاب کہلاتے ہیں، یا جنہوں نے فقہ مالکی کو جدید خطوط پر استوار کرتے ہوئے، دیگر ممالک تک اس مسلک ومنہج کی نشر واشاعت کی، ان اصحاب کا تعلق لگ بھگ چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔

(1)......ابنِ عبد البر قرطبی

حافظ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ کا مکمل نام ''ابو عمر یوسف بن عبد اللّٰہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری الاندلسی القرطبی المالکی'' ہے، ''ابنِ عبدالبر قرطبی'' کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے، آپ اندلس کے اسلامی دور کے سرخیل ائمہ اسلام میں سے ہیں، 368 ہجری میں قرطبہ میں پیدا ہوئے، جلیل القدر مالکی علماء وفقہاء میں سے ہیں، وقت کے بڑے متبحر عالم وامام، مجتہد، محدّث، مؤرخ، مؤدب اور کثیرُ التصانیف شخصیت تھے، حصولِ علم کے لیے طویل اسفار کیے، احادیث کے حفظ وضبط کے حوالہ سے ''حافظُ المغرب'' کے لقب سے مشہور ہوئے، علماء وطلباء دور دراز کے علاقوں سے سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور فیض حاصل کرتے، اسی وجہ سے ''شیخ علماء الاندلس'' کا لقب بھی رکھتے تھے، مختلف شہروں کی سیر وسیاحت بھی کی، قاضی بھی رہے، بلاغت وادبی علوم میں بھی کمال مہارت حاصل تھی، مقدمات میں بڑے صحیح فیصلے کرتے، علم کا ایک بڑا ذخیرہ تصنیف وتالیف کی صورت میں چھوڑ کر گئے۔

علامہ ابنِ عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا، چنانچہ آپ کے والد ماجد ''ابومحمد عبداللہ بن محمد'' اور اسی طرح آپ کے جدِ امجد ''محمد'' دونوں ہی وقت کے علماء میں شمار ہوتے تھے، اس لیے صغرِ

سنی میں طلبِ علم کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کی پیدائش اندلس کے مشہور شہر قرطبہ میں ہوئی، قرطبہ اس وقت علم وفن کا مرکز ومحور تھا، اس لئے آپ نے وہاں کے اہلِ علم کے حلقۂ درس اوران کی مجالس میں شرکت کرکے فقہ، حدیث، ادب ولغت اور تاریخ کے علوم میں مہارت حاصل کی، اور وقت کے بڑے بڑے فقہاء وعلماء، اور محدثین ومؤرخین کے سامنے زانوئے تلمذ ہوئے، جن میں کبار علماء وفقہاء اور محدثین کی ایک جماعت شامل ہے، چنانچہ منقول ہے کہ آپ نے خط وکتابت کے ذریعے سے بھی حجاز، عراق اور شام کے علماء سے تعلق قائم کیا، اوران حضرات سے خط وکتابت کے ذریعہ ہی تعلیم وتعلم کے مراحل طے کیے۔ البتہ آپ کو اپنے والد سے سماع حدیث اور حصول علم کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ آپ کے والد ماجد کا انتقال 380 ہجری میں ہوا، اور اس وقت آپ صرف بارہ سال کے تھے۔

فقہی مسلک

ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے علامہ ابنِ حزم اندلسی رحمہ اللہ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا، اس لیے ابتداءً آپ مسلکِ ظاہریہ کی طرف مائل تھے، لیکن پھر میدانِ علم وتحقیق کی بادیہ پیمائی کے بعد آپ نے مالکی مسلک کو اختیار کیا، کیونکہ آپ اجتہاد کے درجہ پر فائز، صاحبُ الرائے شخصیت تھے، وسعتِ علم اور قوتِ فہم میں ایک بڑا مقام رکھتے تھے، اس لیے کئی مسائل میں فقہ شافعی کی طرف بھی واضح میلان رہا۔

آپ کو بڑے بڑے اصحابِ علم وفضل سے شرف تلمذ حاصل ہوا تھا، اس لئے آپ بھی اپنے وقت کے متبحر عالم وفقیہ، محدث اور مرجع الخلائق بن گئے، آپ سے علمی فیض واستفادہ کرنے والوں کی لمبی فہرست کتب میں مذکور ہے، جن میں کئی نامور ہستیاں شامل ہیں۔

انہیں ناموں میں سے ایک بڑا نام ''اُبوبکر اُحمد بن علی بن ثابت رحمہ اللہ'' کا ہے، جو کہ ''خطیب بغدادی'' کے نام سے مشہور ہوئے، اپنے زمانے کے امام تھے، انہیں ''حافظُ المشرق'' کہا جاتا تھا، حسن اتفاق یہ ہے کہ حافظُ المغرب علامہ ابن عبدالبر اور حافظُ المشرق ابوبکر خطیب بغدادی، دونوں ہم عصر تھے، اور ایک ہی سال 463 ہجری میں وفات پائی۔

کتب وتصانیف

علامہ ابنِ عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ اُن خوش قسمت ہستیوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم وفضل

www.idaraghufran.org

کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ اپنے زمانہ کے مایہ ناز اور مشہور محقق اور مصنف تھے، تصنیف وتالیف کا آپ کو فطری اور عمدہ ذوق تھا، چنانچہ آپ عمدہ اور عظیم الشان کتابوں کے مصنف تھے، مختلف اسلامی فنون پر مشتمل تصنیفات آپ کے قلم سے ظاہر ہوئیں، آپ کی ان کتب وتصانیف کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہے، جن میں چند مشہور کتب یہ ہیں:

(۱) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد (۲) الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الامصار وعلماء الاقطار (۳) الكافي في فقه اهل المدينة (۴) الاستيعاب في معرفة الاصحاب. [1]

''التمهید'' موطاء کی ضخیم اور عظیم الشان شرح ہے، اس کو حدیث کی عمدہ اور بہترین شرحوں میں شمار کیا جاتا ہے، اسی کی بدولت علامہ ابن عبدالبر کو محدث اور مالکیہ میں سب سے بلند پایہ شارحِ حدیث قرار دیا گیا ہے، ویسے تو ''موطاء امام مالک'' کی بہت سی شروحات لکھی گئیں، لیکن ان سب میں جو مقام ابنِ عبدالبر کی ''التمهيد'' کو حاصل ہوا، وہ کسی دوسری شرح کو حاصل نہ ہوسکا۔ [2]

---

[1] ان کے علاوہ دیگر اور بھی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب ہیں:

(۵) الإنباه على قبائل الرواة (۶) الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء (۷) بهجة المجالس وأنس المجالس (۸) أدب المجالسة وحمد اللسان (۹) الإنصاف فيما بين علماء المسلمين في قرائة بسم الله الرحمن الرحيم (۱۰) الدرر في اختصار المغازي والسير (۱۱) جامع بيان العلم وفضله (۱۲) اختلاف أقوال مالك وأصحابه. (۱۳) الاجوبة الموعبة في الاسئلة المستغربة (۱۴) اخبار ائمة الامصار (۱۵) اختلاف اصحاب مالك واختلاف رواياتهم عنه (۱۶) تجريد التمهيد (۱۷) الاشراف على ما هو في اصول فرائض المواريث من الاجماع والاختلاف (وراثت کے مسائل پر ایک مکمل کتاب)**(۱۸) الاكتفاء في قراءة نافع وابي عمر بن العلاء (۱۹) البستان في الاخدان (۲۰) البيان عن تلاوة القرآن (۲۱) التجريد والمدخل في علم القرآت بالتجويد (۲۲) التقصي لما في المؤطا من حديث الرسول (۲۳) جمهرة الانساب (۲۴) شرح زهديات ابي العتاهية (۲۵) الشواهد في اثبات خبر الواحد (۲۶) القصد والامم في التعريف باصول انساب العرب والعجم.**

[2] علامہ ابنِ عبدالبر کی ''التمهيد'' کا شمار درحقیقت ''امہاتِ شروحاتِ حدیث'' میں ہوتا ہے، چاہے کوئی فقیہ ہو یا محدث، برابر اس سے مستفید ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے دوسری فقہی مسالک میں بھی یہ کتاب ہر زمانہ میں مقبول رہی ہے، علماء نے اس کتاب کو جس قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، شاید ہی کسی کتاب کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو، خود مصنف رحمہ اللہ نے بھی اس پر کافی اطمینان کا اظہار کیا، اور اس حوالہ سے ان کے مشہور اشعار بھی ہیں، جس میں فرماتے ہیں کہ ''یہ کتاب تیس سالوں سے میری قلبی جدوجہد، ذہنی عرق ریزی، اور غموں کا مداوا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے معانی، ان سے متعلقہ علمی نکات وفقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

''الاستذکار'' مصنف رحمہ اللہ کی مذکورہ عظیم الشان شرح ''التمہید'' کا خلاصہ ہے، اور شروحِ حدیث میں بڑی اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔

''الاستیعاب''

امام صاحب کی صحابۂ کرام کے حالات پر مشتمل نہایت اور اہم اور شہرہ آفاق کتاب ہے، اس میں لگ بھگ 2500 صحابۂ کرام کے حالات و مناقب ذکر کیے گئے ہیں، اس سے پہلے بھی صحابۂ کرام کے حالات پر مشتمل متعدد کتب تالیف کی گئیں، مگر ''الاستیعاب'' کو ان میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ [1]

یہ تو آپ کی تالیف کردہ چند ایک کتب کا حال ہے، جبکہ اس کے علاوہ دوسری کتب میں بھی بنظرِ انصاف غور کیا جائے، تو ان میں سے ہر ایک کتاب اپنے آپ میں بحرِ علوم سموئے ہوئے ہے، اور مصنف کے جامع و بحرالعلوم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ آپ کا وصال 463 ہجری میں شاطبہ میں ہوا، اللہ نے آپ کو 95 سال کی طویل بابرکت حیات عطا کی تھی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

میں ذکر کردہ آداب، نیکی وتقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے، اور ظلم سے روکنے والے ہیں'' (التمہید، ج۲۴،ص۴۴۸)

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے علامہ ابنِ حزم کی ''المحلّٰی'' اور ابن قدامہ حنبلی کی ''المغنی'' اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی ''السنن الکبریٰ'' اور علامہ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ کی ''التمہید'' کو ''الدواوین'' (یعنی اسلامی احکامات کے مدوّن و مرتب مجموعے) قرار دیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ جس عالم و مفتی کو اللہ نے فہم و فراست سے نوازا ہو، اور وہ ان چار کتابوں کا تواتر سے مطالعہ کرتا ہو، یقیناً وہ ایک حقیقی عالمِ دینِ کے مرتبہ پر فائز ہے (سیر اعلام النبلاء، ج۱۸،ص۱۹۳، الطبقة الرابعة والعشرون، رقم الترجمة: 99)

اسی وجہ سے علامہ ابنِ حزم، قاضی عیاض مالکی، علامہ ابنِ تیمیہ اور دیگر اہلِ علم حضرات نے اپنی اپنی کتب و تالیفات میں ابنِ عبدالبر قرطبی کی ''التمہید'' کی قدر و منزلت کا ذکر کرتے ہوئے، آپ کی خدمات کو سراہا ہے، اور اہلِ علم حضرات کے نزدیک ''التمہید'' موطاء امام مالک کی پہلی کامل شرح ہے، جو ہم تک پہنچی ہے، جس میں مشہور احادیث کے احکام، متابعات و شواہد جاننے کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور احادیث کے بہت سے رواۃ کے تراجم بھی ذکر کیے گئے ہیں، فقہی مسائل میں علماء کے اقوال کا بہترین ذخیرہ ہے، علامہ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ چونکہ محدث و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مؤرخ، مؤدب اور لغت دان بھی تھے، اس لیے یہ تمام خوبیاں بھی اس شرح میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، اسی وجہ سے شروحاتِ حدیث میں ''التمہید'' کو وہ مقام حاصل ہے، جو کتبِ حدیث میں موطاء امام مالک کو حاصل ہے، اور شروحاتِ حدیث میں شاید ہی ایسی کوئی کتاب ہوگی، جس میں ''التمہید'' یا اس کے مؤلف کا ذکر نہ ہو، جیسا کہ محدثین کی کتابیں امام مالک کے ذکر سے خالی نہیں۔

[1] ''الاستیعاب'' کو حروفِ معجم کی ترتیب کے مطابق علیٰحدہ علیٰحدہ ابواب پر مرتب کیا گیا ہے، پہلے ناموں اور کنیتوں کے لحاظ سے صحابۂ کرام اور پھر صحابیات کا ذکر ہے، صحابہ کرام کے ذکر سے پہلے بطورِ تبرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مختصر اور جامع تذکرہ لکھا گیا ہے، مصنف رحمہ اللہ کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف میں علمائے سیر وانساب کے مشہور اقوال نقل کرنے میں معروف و معتبر کتابوں پر ہی اعتماد کیا گیا ہے، اور ان تمام کتب کا ذکر کیا ہے، جو ان کا مآخذ تھیں، جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کی ''التاریخُ الکبیر'' و دیگر بھی شامل ہیں، الغرض ''الاستیعاب'' صحابۂ کرام کے حالات پر مشتمل نہایت اہم اور معتبر و مستند کتاب ہے۔

www.idaraghufran.org

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط 89) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

پاکستان میں مسئلہ ٹیکس اور خلافتِ عمر سے اس کا حل (قسط 5)

جزیہ:

جزیہ ان غیر مسلموں پر لگایا جانے والا ٹیکس ہے، جن کو اسلامی ریاست اپنے علاقہ میں جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرے، اور اس کے بدلے ان سے مخصوص مقدار میں سالانہ ٹیکس وصول کرے۔ دورِ خلافت میں اسلامی ریاست میں سینکڑوں غیر مسلم آباد تھے، جن کی جان مال، عزت اور مذہبی اقدار ریاست میں محفوظ تھیں، اس کے بدلے ان سے سالانہ ٹیکس لیا جاتا تھا، جو کہ بیت المال کی آمدنی کا بھی اہم ذریعہ تھا۔

جزیہ عاقل، بالغ غیر مسلم ان مردوں سے وصول کرنے کا حکم ہے، جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، جبکہ غیر مسلم عورتوں، بچوں اور مجنون وغیرہ سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ [1]

جزیہ کی تاریخِ مشروعیت میں اگرچہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم اکثر حضرات کے نزدیک جزیہ سے متعلق قرآنی آیت کے نزول کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی شرائط کے ساتھ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا۔ دیکھا جائے تو جزیہ کی مختصر تاریخ کچھ اس طرح سامنے آتی ہے کہ آٹھویں ہجری کے اواخر میں جب مکہ فتح ہو چکا تھا، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے جا رہے تھے، اسلام کا بول بالا ہو رہا تھا، تب جزیرہ عرب کو اسلامی جھنڈے تلے قرار ملا، تو اللہ نے ظلم کرنے والے یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا۔ جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے ساتھ قتال کی تیاریاں شروع کیں، حوالی مدینہ سے دیہاتوں میں منادی کروائی گئی۔ اکثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہا، اور بعض مسلمانوں میں سے اور اکثر منافقین میں سے جہاد سے پیچھے رہ گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر مسلموں سے جو لڑنے کے قابل

[1] مرغینانی، برھان الدین ابو الحسن، الهداية فی شرح بداية المبتدی، ج2 ص 401 کتاب السیر.

www.idaraghufran.org

تھے، وقت کے ساتھ ساتھ جزیہ وصول کیا۔ [1]

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جزیہ میں غیر مسلموں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک پایا جاتا ہے ،حالانکہ اس طرح کی بات بالکل بھی نہیں ہے۔اسلامی ریاست میں ریاست کے امور چلانے کے لئے جہاں مسلمانوں سے زکاۃ اور دیگر مالی صدقات وصول کئے جاتے ہیں، ویسے ہی دیکھا جائے تو غیر مسلموں سے زکاۃ وصول نہیں کی جاتی،اس لئے ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے،تاکہ جس ریاست کے ذرائع وہ استعمال کررہے ہیں،ان کے لئے بھی بیت المال میں مال جمع ہوسکے۔

دورِ حاضر میں بھی کیا اسلامی ریاست میں جزیہ وصول کیا جائے گا یا نہیں؟تو بعض حضرات جیسے مودودی صاحب وغیرہ کے نزدیک جزیہ کا حکم ان غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہوتا ہے،جن کے علاقہ کو یا تو جنگ کے نتیجے میں فتح کیا جائے ،یا پھر جنگ کے علاوہ ان کے علاقہ کو صلح کے ذریعہ حاصل کیا جائے ،اور پاکستان میں یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں،اس لئے پاکستان میں بسنے والے غیر مسلموں سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ [2]

لیکن میرے خیال میں اگر ریاستِ اسلامی کا معاشی نظام مکمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو،جس میں مسلمانوں سے باقاعدہ زکاۃ وصول کی جاتی ہو،اور بیت المال کا ادارہ بھی اسی طرح کام کررہا ہو،جس طرح سے خلفائے راشدین کے دور میں کررہا تھا،اور عوام سے بیت المال کے ذرائع آمدن کے علاوہ دیگر کوئی ٹیکس بھی وصول نہ کئے جارہے ہوں،تو پھر جیسے ملک کے اداروں کو چلانے کے لئے مسلمانوں سے زکاۃ کی رقم لینا درست ہے، ویسے ہی غیر مسلموں سے جزیہ لینا بھی درست ہوگا،اور اس میں کوئی امتیازی کیفیت نہیں ہوگی،کیونکہ جہاں مسلمان زکاۃ دے رہے ہوں گے، وہیں غیر مسلم جزیہ دے رہے ہوں گے۔

زکاۃ:

زکاۃ بیت المال کی آمدنی کا کلیدی اور بنیادی ذریعہ ہے۔بیت المال میں زکاۃ کی آمدنی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور خلفائے راشدین کے ادوار

---

[1] الموسوعة الفقهية الكويتية، ج15ص 153مادة:جزية.

[2] مودودی،سید ابو الاعلیٰ،رسائل ومسائل چھارم(اسلامک پبلیکیشنز 2014)ص181.

www.idaraghufran.org

میں زکاۃ کی وصولی کے لئے مستقل عامل مقرر تھے، جو گھر گھر جا کر زکاۃ وصول کیا کرتے تھے۔ مخصوص قسم کے اموال پر مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص نصاب اور سال کے گزرنے کے ساتھ مال پر ایک خاص مقدار میں واجب ہونے والا حق زکاۃ کہلاتا ہے۔ [1]

پھر اس طرح کی زکاۃ کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم میں مال نامی جیسے سونا، چاندی، روپیہ اور تجارت وغیرہ کے سامان کی زکاۃ ہے،اور دوسری میں سائمہ جانوروں کی زکاۃ ہوتی ہے۔

جہاں تک مال نامی کی زکاۃ کا تعلق ہے،تو یہ سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، کرنسی، اور مالِ تجارت میں ہوتی ہے ۔جس میں سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ، چاندی کا ساڑھے باون تولہ، روپیہ پیسہ، اور مالِ تجارت کا بھی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہے ۔اگر مال مذکورہ نصاب کو پہنچ جائے ،تو پھر دیگر شرائط کے ساتھ ایک سال گزرنے پر کل مال کا ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکاۃ کے لئے نکالنا ضروری ہے۔ [2]

دوسری قسم سائمہ جانوروں کی زکاۃ کی ہے،اور سائمہ جانور وہ جانور کہلاتے ہیں، جو سال کا اکثر حصہ باہر خود سے چرتے ہوں، اور انہیں خود سے چارہ اور گھاس وغیرہ نہ ڈالنا پڑتا ہو۔اس کیٹیگری میں اونٹ، گائے، اور بکری شامل ہیں، جن کا تفصیلی نصاب فقہائے کرام نے کتب میں ذکر کیا ہے۔ [3]

فئی:

مالِ فئی بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ، ازواجِ مطہرات ، یتیموں اور دیگر مستحقین کی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا۔فئی وہ مال کہلاتا ہے، جو غیر مسلموں سے بنا جنگ وقتال کے صلح کے طور یا صلح کے بغیر حاصل ہوا ہو۔اس کی دو قسمیں ہیں، غیر منقولہ، جیسے وہ زمینیں جنہیں غیر مسلم مسلمان سپاہیوں کے خوف سے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، اور منقولہ جیسے جزیہ ، خراج اور عشور وغیرہ۔ [4]

---

[1] ابن نجیم، زین الدین بن ابراھیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2ص 216 کتاب الزکاۃ.

[2] ابن نجیم، زین الدین بن ابراھیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق(دار الکتاب الاسلامی) ج2ص218 کتاب الزکاۃ

[3] قدوری، احمد بن محمد، مختصر القدوری(دار الکتب العلمیۃ 1418ھ) ص55 کتاب الزکاۃ

[4] سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط(دار المعرفۃ، بیروت 1414ھ) ج10ص18 کتاب السیر

www.idaraghufran.org

پیارے بچو!　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مولانا محمد ریحان

کہانی دل کی زبانی (تیسری وآخری قسط)

اب بھی آپ کہو گے کہ میں مجنون ہوں؟ آپ کو دیکھنا چاہیے کہ میں اس کی لاش کو ایسے جگہ ٹھکانے لگانے میں کتنا محتاط تھا، جہاں اس کو کوئی نہ ڈھونڈ سکے۔ سب سے پہلے میں نے اس کا سر اس کے دھڑ سے الگ کیا، پھر اس کے بازو اور ٹانگوں کو۔ میں اتنا محتاط تھا کہ میں نے اس سارے دورانیہ میں خون کا ایک قطرہ تک زمین پر گرنے نہ دیا۔ فرش پر بچھے پھٹوں کو میں نے ہٹایا، اس کی لاش کے ٹکڑوں کو فرش کے نیچے دبایا، اور پھٹوں کو واپس لگا دیا، یہ سب کچھ میں نے اتنی احتیاط سے کیا کہ کوئی انسانی آنکھ اس کو دیکھ نہ سکے۔

جیسے ہی میں نے کام تمام کیا، مجھے دروازے پر کسی کی دستک سنائی دی۔ صبح کے چار بج رہے تھے، لیکن اس وقت بھی گپ اندھیرا تھا۔ مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہ تھا، تاہم جیسے ہی میں دروازہ کھولنے نیچے گیا، تو تین آدمی نیچے کھڑے تھے۔ وہ تین پولیس والے تھے۔ پڑوس میں کسی نے بوڑھے کی چیخ سن کر پولیس کو فون کر دیا تھا، یہ تین پولیس افسر پوچھ گچھ کرنے اور گھر کی تلاشی لینے آئے تھے۔

پولیس والوں کو میں نے اندر آنے کا کہا۔ یہ چیخ میری اپنی تھی، جو حالتِ خواب میں نکل گئی تھی، میں نے کہا۔ بوڑھا آدمی تو اپنے دوست سے ملنے کسی دوسرے ملک چلا گیا تھا، اپنی بات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے میں نے کہا۔ پھر ان پولیس والوں کو میں گھر کی تلاشی کے لئے اندر لے گیا۔ انہوں نے پورے گھر کی تلاشی لے لی۔ پھر بالآخر اس کمرہ کا نمبر آ گیا، جو اس بوڑھے شخص کا تھا۔ اس کمرہ میں جانے سے قبل میں نے ان کے ساتھ چال چلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھیں گپ شپ کرتے تھے۔ میری نرم گوئی اور اخلاق نے پولیس والوں کو میری کہانی پر یقین کرنے پر مجبور کر دیا، اس لئے وہ میری ساتھ بیٹھ گئے، اور دوستانہ ماحول میں گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ میں ان کے ساتھ بات چیت کرتا رہا، اور ان کے سوالات کے جوابات بھی دیتا رہا۔ میری خواہش تھی کہ گفتگو کا یہ سلسلہ جلدی سے ختم ہو، اور وہ یہاں سے چلے جائیں۔ اسی اثنا میں میرے سر

میں درد ہونے لگا، جیسے میری کان میں کوئی عجیب سے آواز آرہی تھی۔میں نے اپنی باتوں اور جوابات کو مزید تیز اور اونچا کر دیا۔میرے کانوں میں پڑنے والی وہ آواز اب بالکل صاف تھی، مگر پولیس والے پھر بھی بیٹھے رہے،اور بات چیت کرتے رہے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ وہ آواز میرے کانوں کی نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں وہ آواز آرہی تھی۔اس لمحہ مجھے احساس ہوا کہ تھوڑی دیر خاموش رہتا ہوں۔پھر میں مزید اونچی آواز میں بات کرتا رہا۔جیسے جیسے میری آواز بلند ہوتی رہے، ویسے ویسے وہ آواز بھی اونچی ہوتی رہی۔یہ تیز، نرم سی آواز تھی، جیسے گھڑی کی ٹک ٹک کرنے کی آواز ہو۔ایسی آواز جسے میں بخوبی پہنچانتا ہوں۔آواز اور اونچی ہوتی چلی گئی۔میں تیزی سے کھڑا ہوا،اور تیزی سے کمرہ کا چکر لگا کر معائنہ کیا۔میں نے فرش پر اپنی کرسی کو زور سے دبایا، تاکہ وہ آواز کم ہو سکے۔میں نے مزید اونچی آواز میں ان پولیس والوں کے جواب دیئے،لیکن وہ آواز اور تیز ہوتی چلی گئی۔پولیس والے بیٹھے بات کرتے رہے،اور مسکراتے رہے۔کیا یہ ممکن تھا کہ انہیں یہ آواز سنائی نہ دے رہی ہو؟

نہیں انہوں نے سنا ہوگا! مجھے اس بات کا یقین ہے۔وہ جانتے تھے۔اب وہی تھے، جو میرے ساتھ چال چل رہے تھے۔اس آواز اور ان کی مسکراہٹ کے ساتھ جتنی مجھ میں سکت تھی، میں برداشت کرتا رہا۔اونچی اونچی اونچی! اب یہ آواز میری برداشت سے باہر تھی، میں نے فرش کے پھٹوں کی طرف اشارہ کیا اور چلایا۔ہاں ہاں! میں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ان پھٹوں کو ہٹاؤ، آپ کو نظر آجائے گا۔میں نے ہی اسے قتل کیا ہے،لیکن اس کا دل اب تک دھڑکنا بند کیوں نہیں ہوا؟اب بھی یہ کیوں نہیں رک رہا؟

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط78) **مفتی طلحہ مدثر**

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:15)

چمڑے کا کاروبار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سی خواتین خاص طور پر چمڑے کے کاروبار سے وابستہ تھیں، جن میں بہت سی مشہور صحابیات شامل ہیں، چنانچہ ایسی ہی کچھ خواتین کا ذکر ملاحظہ فرمائیں،

حضرت ہالہ بنت خویلد اور حضرت خدیجہ

حضرت ہالہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سمدھن بھی تھیں، ان کے بیٹے ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، یہ دونوں بہنیں مختلف قسم کی تجارت کرتی تھیں، ان میں سے ایک چمڑے کا کاروبار بھی تھا، چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنا أعلم الناس بتزويج النبى صلى الله عليه وسلم خديجة، إنى كنت له تربا وكنت له إلفا وخدنا، وإنى خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كنا بالحزورة– سوق مكة– أجزنا على أخت خديجة، وهى جالسة على أدم تبيعها، فنادتنى، فانصرفت إليها، ووقف لى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: أما لصاحبك هذا من حاجة فى تزويج خديجة؟ (دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقى (المتوفى: 458هـ)، جماع أبواب صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء فى تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم بخديجة رضى الله عنها، ج٢ ص ٧١)

ترجمہ: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں ان کا دوست، ساتھی اور قریبی تھا، میں (ایک دن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر

www.idaraghufran.org

نکلا، یہاں تک کہ جب ہم حزورہ (مکہ کا ایک بازار) میں تھے، تو ہمارا حضرت خدیجہ کی بہن کے پاس سے گزر ہوا، اور وہ اپنی کھالوں (اور چمڑے وغیرہ) کو بیچ رہی تھیں، تو انہوں نے مجھے آواز دی، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری وجہ سے ٹھہر گئے، انہوں نے کہا: ’’کیا آپ کے ان دوست کو خدیجہ سے شادی کے بارے میں کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟‘‘ (دلائل النبوۃ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فمررنا بين الصفا والمروة فإذا خديجة وأختها هالة تبيعان أدما بالحزورة (المنتخب من كتاب أزواج النبى صلى الله عليه وسلم، ل”زبير بن بكار بن عبد الله القرشى (المتوفى: 256 هـ)، ذكر خديجة بنت خويلد، ص ٢٧)

ترجمہ: تو ہم صفا اور مروہ کے درمیان سے گزرے، وہاں حزورہ (بازار میں) خدیجہ اور ان کی بہن ہالہ چمڑا بیچ رہی تھیں (المنتخب)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت خدیجہ اور ان کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہما چمڑے کا روبار بھی کرتی تھیں۔

حضرت زینب بنت جحش

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور ام المومنین تھیں، بہت زیادہ سخی اور صدقہ خیرات کرنے کے حوالے سے کافی شہرت رکھتی تھیں،، اس معاملہ میں ان کو دوسری ازواج مطہرات پر سبقت حاصل تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے عین مطابق آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہی انتقال ہوا تھا، یہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کو سیتی تھیں، دباغت دیتی تھیں اور اس کی آمدنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأزواجه: أسرعكن لحوقا بى أطولكن يدا قالت عائشة: فكنا إذا اجتمعنا فى بيت إحدانا بعد وفاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نمد أيدينا فى الجدار نتطاول، فلم

www.idaraghufran.org

نـزل نـفعل ذلک حتی توفیت زینب بنت جحش زوج النبی صلی اللّٰہ علـیـہ وسـلـم وکـانـت امرأة قصیرة ولم تکن أطولنا، فعرفنا حینئذ أن الـنـبـی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنما أراد بطول الید الصدقة قال: وکانت زینب امرأة صناعة الید فکانت تدبغ وتخرز وتصدق فی سبیل اللّٰہ عز وجل (المستدرک علی الصحیحین،لابی عبداللّٰہ محمد "الحاکم" (المتوفی: 405ھ) کتاب معرفة الصحابة،ذکر زینب بنت جحش رضی الله عنها،رقم الحدیث ٦٧٧٦)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا ”تم میں سے سب سے جلدی مجھ سے (وفات کے بعد) وہ ملے گی ،جس کے ہاتھ طویل (لمبے) ہوں گے“ ،چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بھی ہم کبھی کسی ایک کے گھر میں جمع ہوتی تھیں، تو ہم دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلا کر آپس میں ناپتی تھیں، ہم اسی طرح کرتی رہیں، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ زینب بنت جحش کا انتقال ہوگیا، وہ ہم میں سب سے لمبی نہیں تھیں بلکہ پست قد کی تھیں، تب ہمیں معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبے ہاتھ ہونے سے صدقہ کرنا مراد لیا تھا، اور زینب دستکاری میں ماہر تھیں، وہ چمڑے کو دباغت دیتی تھیں، اسے سیتی تھیں، اور اللہ عز وجل کے راستے میں صدقہ کر دیتی تھیں (مستدرک)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا، کہ حضرت زینب بھی چمڑے کا کاروبار کرتی تھیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی صدقہ کر دیتی تھیں۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی و مغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط19)

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسی ضمن میں سلفی صاحب نے علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ:

> اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان دوستوں (یعنی شیعہ حضرات) کا ایمان موجودہ قرآن پر واقعی ہے، یا نہیں، تو (ان سے) پوچھیں۔ الخ (ماہنامہ حق چار یار، مارچ، ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۰)

اس کے بعد شیعہ حضرات سے تین سوالوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کے بعد تحریر کیا گیا ہے کہ:

> ان تینوں سوالوں کی روشنی میں آپ کو پتہ چل جائے گا کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان ہے، یا نہیں؟ (ماہنامہ حق چار یار، مارچ، ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۱)

حالانکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر شیعہ حضرات کی طرف سے تحریفِ قرآن کے انکار کو ''تقیہ'' پر محمول کیا جائے، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے، تو پھر ان کی طرف سے تقیہ کی بنیاد پر ان سوالوں کا قرآن پر ایمان ہونے کے مطابق جواب دینے میں کیا مانع ہوگا؟

اور اگر انہوں نے تقیہ کر کے جواب دے دیا، تو پھر ان کے قرآن پر ایمان ہونے کے دعوے کو معتبر سمجھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے تقیہ کو نظر انداز کر کے ظاہری قول کا اعتبار کیا جا رہا ہے، اور یہی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے، اور قرآن و سنت کی نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اور اگر ان کے جواب کو تقیہ پر محمول کر کے معتبر نہیں سمجھا گیا، تو پھر ان کے قرآن پر ایمان ہونے، یا نہ ہونے کے لئے سوال کا کیا مطلب؟

دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے اہلِ تشیع، اور متعدد اہل السنۃ نے موجودہ ترتیب و تالیف کے مطابق کسی کمی و زیادتی کے بغیر قرآن مجید کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے، اور بعض جزوی اختلافات باعثِ تکفیر نہیں، جیسا کہ پہلے بھی باحوالہ گذرا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مذکورہ سوالوں میں ایک سوال یہ بھی کیا گیا ہے کہ موجودہ سورتوں کی ترتیب

وتالیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ، اور منظور شدہ ہے کہ نہیں؟

جبکہ یہ بات گذر چکی ہے کہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں جمہور کے مقابلہ میں ایک قول توقیفی نہ ہونے، بلکہ ''امرِ اجتہادی'' کا ہے، جس میں ''امرِ ظنی'' کی مخالفت پائی جاتی ہے، نہ کہ ''امرِ قطعی'' کی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص تحریف کا قول اختیار کرے، یہ عقیدہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے گذرا۔

اور اس ضمن میں ادیب مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ کی ''عقائدُ الشیعہ'' کی جو عبارت نقل کی گئی ہے، اولاً تو اس میں یہ تصریح ہے کہ:

''قرآن کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہمارے سامنے موجود ہے، حرف بحرف خدا کا کلام ہے، لیکن یہ موافقِ تنزیل نہیں'' (عقائد الشیعہ، ص ۳۸، ناشر: شمیم بک ڈپو، ناظم آباد، کراچی، طبع بارِ سوئم)

پھر مذکورہ رسالہ میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

''جو قرآن موافقِ تنزیل حضرت علی نے جمع کیا تھا، وہ نسلاً بعد نسلٍ ہمارے ائمہ کے پاس محفوظ رہا، الخ'' (ایضاً)

یعنی وہ موجودہ قرآن کو موافقِ تنزیل نہیں مانتے، اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ قرآن موافقِ تنزیل نہیں، اور اگر موافقِ تنزیل نسخہ، حضرت علی، یا کسی اور صحابی کے پاس موجود تھا، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اہل السنۃ والجماعۃ بھی موجودہ ترتیب کو ''ترتیبِ نزولی'' قرار نہیں دیتے، البتہ موجودہ ''ترتیبِ سور'' اور ''ترتیبِ آیات'' کو ''توقیفی، یا اجتہادی'' قرار دینے کا مسئلہ اس سے جدا ہے، جس پر کلام پہلے گذر چکا ہے۔

بہر حال سید ظفر حسن صاحب نے موجودہ قرآن کے موافقِ تنزیل نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اور ترتیبِ نزولی کو صحیح قرار دے کر، موجودہ ترتیب سے اختلاف کے متعلق یہ روافض کا ایک قول ہے، اس کو تمام روافض کا قول قرار دینا، پھر بھی درست نہیں، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل ذکر کی گئی۔

www.idaraghufran.org

اورمولانا سیدظفرحسن صاحب کے مذکورہ رسالہ’’عقائدُ الشیعہ‘‘ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ یہ رسالہ’’شیعہ حضرات کے ابتدائی مدارس میں بطور نصاب رائج ہے‘‘یہ قابلِ تامل ہے،ہمیں خارجی ذرائع سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی،ممکن ہے کہ کسی دوسری جگہ ایسا ہو،اوراگرکسی جگہ ایسا ہو،تو اس کی وجہ سے دنیا بھرمیں پائے جانے والے عربی وعجمی تمام شیعوں کے عقائداس کے مطابق ہونے کا حکم لگانا،اورعلی الاطلاق شیعہ وروافض کی تکفیرکرنا،پھربھی درست نہیں ہوگا،بلکہ تکفیر کے بنیادی اصولوں کے خلاف شمار ہوگا۔

اورہم ماسبق میں محققین کے متعددحوالہ جات کے ذریعہ نقل کرچکے ہیں کہ جمہورعلمائے اثناعشریہ کے نزدیک قرآن مجیدتحریف سے پاک ہے،جس میں جمہور’’علمائے امامیہ اثناعشریہ‘‘ سے جمہور علمائے اصولیین مراد ہیں۔

کیونکہ محققین کی تصریح کے مطابق’’امامیہ‘‘ کے ایک مکتبِ فکرکا نام’’اخباریۃ‘‘ ہے،اوردوسرے مکتبِ فکرکا نام’’اصولیۃ‘‘ ہے،اوراسی نسبت سے یہ دونوں مکاتبِ فکر’’اخباریین‘‘اور’’اصولیین‘‘ کے ناموں سے موسوم ہیں،جن کا متعدد محققین اہل السنہ نے بھی ذکرکیاہے،اوران دونوں مکاتبِ فکرکے درمیان کئی اصولی وبنیادی چیزوں میں اختلاف ہے،جن میں اجتہادکی مشروعیت اوراجماع کی حجیت اوردلیلِ عقلی کے معتبرہونے،نہ ہونے جیسی چیزوں کے مابین بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اوراس کے نتیجہ میں’’اصولیین‘‘ کے نزدیک اجتہاداوردلیلِ عقلی کی رُو سے متعددایسے مسائل کوترجیح دی جاتی رہی ہے،جواُن کی چارمعتمدکتابوں میں پائی جانے والی تصریحات کے خلاف ہے۔

جبکہ ’’اخباریین‘‘دراصل چارمعتمدکتابوں میں مذکور،ہر بات کی صحت کے قائل ہیں،اوراس کو **تلقی بالقبول** اور **تلقی بالعمل** کادرجہ دیتے ہیں،اوراس کے برعکس’’اصولیین‘‘مذکورہ چار کتابوں میں پائی جانے والی ہربات کے صحیح،یامقبول،یا قابلِ عمل ہونے کے قائل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ متعدد محققین نے باحوالہ یہ ثابت کیاہے کہ بہت سے’’اخباریین‘‘ اور چندعلمائے ’’اصولیین‘‘ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں،جبکہ جمہور’’اصولیین‘‘ تحریفِ قرآن کی نفی کرتے ہیں، اورقرآن مجیدکوہرقسم کی زیادتی اورنقصان سے محفوظ قراردیتے ہیں۔

احمد قوشتی عبدالرحیم (أستاذ : کلیة الدعوة وأصول الدین ، جامعة أم القری مکة المکرمة ،السعودیة) نے اپنی تالیف ''الصراع بین الأخباریین والأصولیین داخل المذھب الشیعي الإثنی عشری ''میں ''اصولیین''اور''اخباریین'' کے درمیان جو بنیادی اختلافات ہیں،ان پر باحوالہ مفصل کلام کیا ہے،اس تالیف کے''مقدمہ''میں مؤلف مذکور فرماتے ہیں:

ولیس الخلاف الأخباری الأصولی۔ فیما یبدو لی۔ مجرد خلاف جزئی أو ثانوی محدود الآثار ، وانما ھو خلاف جوھری داخل بنیة المذھب الامامی الإثنی عشری وأرکانه ورجاله ، کما أنه لم یکن مجرد نزاع بین أصحاب المسلکین علی نطاق المحافل العلمیة ، بل تسرب الی أوساط العامة فأریقت دماء ، وھتکت أعراض ، وأزھقت أنفس ، کما ترتب علی ھذا الخلاف آثار عدیدة لم تقتصر علی الجانب العقدی أو الفقھی ، بل امتدت للجانب السیاسی وربما ساعد علی ذالک المکانة الجوھریة التی شغلتھا عقیدة الامامة فی الفکر الشیعی ، حیث اعتبرت رکن المذھب وأساسه الذی انبثقت عنه سائر العقائد الأخری (الصراع بین الأخباریین والأصولیین داخل المذھب الشیعی الإثنی عشری، ص۷، و۸،المقدمة ، الناشر: تکوین للدراسات والأبحاث، لندن، الطبعة الثانیة : ۱۴۳۶ ھـ ، 2015م)

اور مذکورہ تالیف کے''خاتمہ''میں مؤلف مذکور فرماتے ہیں:

الخاتمة:وفی نھایة ھذا البحث یحسن بنا أن نذکر أبرز النتائج التی انتھینا الیھا ، وتتخلص فیما یلی:

۱۔تعددت الانقسامات والانشقاقات داخل المذھب الشیعی ، ومن مظاھر ذالک انقسام التشیع الإثنی عشری الی مدرستین رئیستین وھما : الأخباریة والأصولیة.

ویقصد بالأخباریة تلک المدرسة التی عولت کلیة علی الأخبار المنقولة عن الأئمة ، ومنعت من العمل بالاجتھاد ، وقالت بصحة کل ما فی الکتب الأربعة .

أما الأصولیة فقد نادت بمشروعیة الاجتھاد ، وعنیت عنایة کبیرة بأصول الفقه ورأت أن أدلة الأحکام أربعة ، وھی الکتاب والسنة والإجماع ودلیل العقل .

کما أنھا لا تحکم بصحة کل ما فی الکتب الحدیثیة عند الشیعة ، بما فی ذالک الکتاب الأربعة الأساسیة .

۲۔یرجع الانقسام بین الأخباریین والأصولیین الی جذور قدیمة فی المذھب الاثنی عشری ، لکن جذوة ھذا الانقسام قد تأججت مع ظھور مجدد الأخباریة الأسترابادی(محمد أمین بن محمد شریف،المتوفیٰ ۱۰۲۳ ھـ)من جھة ، ثم تصدی الوحید البھبانی(محمد باقر بن محمد أکمل الوحید،المتوفی۱۱۱۸ ھـ) الأصولی لفکر الأخباریین من جھة أخری ، وبعدھا أخذ الصراع بین المدرستین أشکالا وأطوارا شتی ، وجمع بین الردود العلمیة وتألیف الکتب ، وتبادل التھم کما أنه لم یقتصر علی نطاق المحافل العلمیة ، بل تسرب الی الأوساط العامة ، فسفکت دماء وأوذی أناس کثیرون .

۳۔یعتبر الإختلاف بین الأخباریین والأصولیین خلافا منھجیّا، متعلقا بأصول أساسیة فی

www.idaraghufran.org

الاستدلال والتلقی والتعامل مع مصادر الدین وکیفیة الاستنباط منها لکنه مع ذالک لا یخرج المدرستین عن الاندراج فی عداد الاثنی عشریة ، نظرا لا تفاقهما علی الثابت الأهم والأساسی الذی قام علیه بنیان الاثنی عشریة ، وهو نظریة الامامة وما دار فی فلکها من معتقدات .

۴۔ اختلف الأخباریون والأصولیون فی الموقف من تحریف القرآن علی قولین .

أحدهما : قول جل الأخباریین وعدد من علماء الأصولیین ، وهم یثبتون وقوع التحریف فی القرآن الکریم ، سواء أکان تحریفا بالزیادة أو النقصان.

والقول الثانی : قول جماهیر الأصولیین ، وهم ینفون وقوع التحریف ، وان کان من الملاحظ أن جماعة من الأصولیین قدیما و حدیثا قالوا بالتحریف ، کما أن رد فعلهم علی مخالفیهم فی هذه المسألة لم یکن بالحسم المطلوب ، حیث اعتبر بعضهم المسألة برمتها من قبیل الخلاف العادی ، ولم یتناولوها علی أنها قضیة أساسیة من أصول الدین وثوابت المعتقد .

۵۔ ثار نزاع بین الأصولیین والأخباریین فی الموقف من حجیة ظواهر القرآن الکریم ، فبینما احتج بها الأصولیون وعولوا علیها ، فقد شکک فی حجیتها کثیر من الأخباریین ، ورأوا أن معانیها متوقفة علی ورود التفسیر والتأویل من کلام الأئمة ، الذین انفردوا بفهم القرآن وتأویل آیاته (الصراع بین الأخباریین والأصولیین داخل المذهب الشیعی الإثنی عشری، ص ۱۲۵ الیٰ ۱۲۷، الخاتمة ، الناشر: تکوین للدراسات والأبحاث، لندن، الطبعة الثانیة : ۱۴۳۶ھ ، 2015م)

اور ابو جعفر طوسی اور ان کے شاگرد ”حلی“ کا شمار ”اصولیین“ میں کیا جاتا ہے۔ [1]

اور ہم نے یہ بات دوسرے مضمون میں ذکر کر دی ہے کہ متاخرین اثنا عشریہ کی اکثریت، جو کہ جمہور اثنا عشریہ کا درجہ رکھتے ہیں، وہ ”اصولیین“ کہلاتے ہیں، اور وہ اجتہاد کے مشروع ہونے کے قائل ہیں۔

امامیہ اثنی عشریہ کے عالم اور سابق امام حرم علوی ”سید ابراہیم بن سید ساجدین، بن سید باقر موسوی ابہری زنجانی نجفی، جو تقریباً پچاس کتابوں کے مصنف ہیں، اور ان کی اکثر کتابیں مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں، انہوں نے 1387ھ میں عربی زبان میں ”عقائد الامامیة الاثنی عشریة“ کے عنوان سے دو جلدوں میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس پر متعدد اہلِ تشیع نے تقاریظ لکھی ہیں۔

سید ابراہیم موسوی نجفی ”عقائد الامامیة الاثنی عشریة“ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

---

[1] فائدة ذکر الشیخ الفاضل الشیخ حسن بن العالم الربانی الشهید الثانی (رحمه الله) فی کتاب المعالم: قال العلامة فی النهایة:

أما الإمامیة فالأخباریون منهم لم یعولوا فی أصول الدین وفروعه إلا علی أخبار الآحاد المرویة عن الأئمة (علیهم السلام) والأصولیون منهم – کأبی جعفر الطوسی وغیره – وافقوا علی قبول خبر الواحد(الفوائد المدنیة والشواهد المکیة ،لمحمد أمین الإستر آبادی ، ص ۱۳۲)

www.idaraghufran.org

نعتقد أن القرآن هو الوحی الالٰهی المنزل من الله تعالٰی علٰی لسان نبیه الأکرم محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف صلی الله علیه وسلم ،فیه تبیان کل شیء،وهو معجزته الخالدة التی اعجزت البشر عن مجاراتها فی البلاغة والفصاحة، وفیما احتویٰ من حقائق ومعارف عالیة لا یعتریه التبدیل والتغیر والتحریف،وهٰذا الذی بین ایدینا نتلوه هو نفس القرآن المنزل علی النبی صلی الله علیه وسلم ،ومن ادعٰی فیه غیر ذالک، فهو منحرف ،او مغالط ،اومشتبه،وکلهم علٰی غیر هدی،فانه کلام الله الذی "لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ" (عقائد الامامیة الاثنی عشریة،ج۲، ص ۱۸۸ ،عقیدة الشیعة الامامیة الا ثنی عشریة فی القرآن)

ترجمہ: ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن، دراصل ''وحیِ الٰہیٰ'' ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کے نبی اکرم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر، جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، اور یہ آپ کا دائمی معجزہ ہے، جس نے بشرِ انسانی کو عاجز کردیا ہے، اس کی بلاغت اور فصاحت کا مقابلہ کرنے میں، اور جن حقائق اور عالیشان معارف کو وہ محیط ہے، ان میں انسانوں کو عاجز کردیا ہے، جس میں تبدیلی اور تغیر اور تحریف کی آمیزش نہیں ہوئی، اور وہ جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں، وہ وہی قرآن ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا، اور جس نے اس قرآن کے بارے میں اس کے علاوہ کا دعویٰ کیا، تو وہ ''منحرف'' ہے، یا ''مغالط'' ہے، یا ''مشتبہ'' ہے، اور یہ سب لوگ ہدایت پر نہیں ہیں، کیونکہ یہ اللہ کا وہ کلام ہے کہ ''باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے، اور نہ اس کے پیچھے سے'' (عقائد الامامیة الاثنی عشریة)

(جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

کیاآپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات،مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

نئے طریقوں وتحریکوں میں خیر نہ ہونے کی وجہ

آج کل بہت سے مسلمانوں نے،مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور اسلام کی سربلندی کے لیے،اسلام کے بتلائے ہوئے طریقوں اور تدبیروں کو چھوڑ کر احتجاج،ہڑتال جیسے نت نئے طریقوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہے،جن میں خیر وبرکت نہیں،جبکہ یہ غیروں کے طریقے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’برکت تدابیرِ منصوصہ(قرآن وحدیث میں بیان کردہ طریقوں)پر عمل کرنے سے میسر ہوسکتی ہے اور یہ ہڑتال اور جلوس(واحتجاج)یہ سب یورپ ہی سے سبق حاصل کیا ہے،یہ سب انہیں کی تدابیر ہیں،جن کے خلاف تم جدّ وجہد کر رہے ہو‘‘(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۴ص۵۸،ملفوظ نمبر۶۴)

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’میں دیکھتا ہوں کہ ان نئی چیزوں میں اکثر میں نور نہیں،بلکہ ظلمت(وتاریکی)محسوس ہوتی ہے،اب یہ تحریکاتِ حاضرہ(موجودہ دور کی تحریکات،ہڑتال،احتجاج وغیرہ)ہی ہیں،ان کے سوچنے سے قلب(دل)پر ظلمت اور کدورت معلوم ہوتی ہے،جس کی وجہ یہی ہے کہ اصولِ اسلام اور احکامِ اسلام پر اس کی بنیاد نہیں،اس لئے اس میں ظلمت ہے‘‘(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج۳ص۳۲۱)

معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ کی طرف سے بتلائے اور تجویز کیے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں اپنی طرف سے گھڑی ہوئی نئی چیزوں میں عام طور پر نور نہیں،بلکہ اندھیرا ہے،اور اس نور نہ ہونے اور اندھیرا ہونے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلامی اُصولوں اور طریقوں پر ان کی بنیاد نہیں۔

www.idaraghufran.org

اورشریعت کی طرف سے تجویز کردہ طریقوں کو چھوڑنے کی جولوگ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ شریعت کی طرف سے تجویز کردہ یہ طریقے پرانے ہو چکے ہیں، اس لیے اب ان کو چھوڑ دینا چاہیے اور نئے طریقوں کواختیار کرنا چاہیے۔

حضرت تھانوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’لوگ کہتے ہیں کہ پرانی باتوں کو چھوڑ دینا چاہئے ،اب زمانہ ترقی کررہا ہے نئی باتیں اختیار کرنا چاہئے ،صاحب پرانی باتوں میں نور ہے، برکت ہے اور پرانی تو زمین بھی ہے ، آسمان بھی ہے، ان کو بھی چھوڑ دو،اورخوداپنا وجود بھی تو پرانا ہوگیا،اس کو بھی چھوڑ دو، کیالغو باتیں ہیں ،کام کی چیز تو پرانی ہو کر ایسی ہوجاتی ہے‘‘(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۴ص ۳۳،ملفوظ نمبر۳۲)

اورحضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’ تدابیرکوکون منع کرتا ہے، تدابیر کریں ،لیکن(شرعی)حدود میں رہ کر۔البتہ تدابیرِ غیرمشروعہ، غیرمنصوصہ(غیرشرعی اورقرآن وسنت میں بیان کیے ہوئے طریقوں کے خلاف)سے منع کیاجاتا ہے۔اسی طرح تدابیرِ مباحہ(یعنی جائز طریقوں)میں غلو(حد سے آگے بڑھنے)سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ غلوفی التدبیر(تدبیراورسبب میں حد سے تجاوز کرنے)سے(اللہ تعالیٰ پر)توکل ضعیف ہوجاتا ہے۔اور یہ ضعفِ توکل (توکل کا کمزورہونا)تو تدابیرِ مباحہ (جائز طریقوں)میں غلوکرنے کااثر ہے اورتدابیرِ غیر مشروعہ (غیرشرعی طریقوں)پرعمل کرنے اورپھر اس پرغلوکرنے (حد سے آگے بڑھنے اورمنہمک ہونے)کا جونتیجہ ہوگا،وہ اظہرمن الشمس(سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ظاہر)ہے،جس کا ہرشخص خود ہی فیصلہ کرسکتا ہے کہ پھراس میں خیروبرکت کہاں،نورکہاں؟جب یہ(خیروبرکت اورنور)نہیں ،تومقصود میں کامیابی کیسی؟اس لئے کہ بدون نصرتِ حق اور اعانتِ حق(یعنی بغیرحق تعالیٰ کی مددونصرت)کے منزلِ مقصود پر پہنچنا،ایک امرِ محال(ناممکن سی بات)ہے اوراس حالت میں (یعنی غیرشرعی طریقوں کواختیارکرنے،یا جائز طریقوں میں غلوکرنے اوران میں منہمک ہونے کی

www.idaraghufran.org

صورت میں) نصرتِ حق کہاں۔ یہاں ایک مولوی صاحب آئے تھے، بہت جوشیلے آدمی ہیں، ساتھ ہی میں نیک نیت بھی ہیں، وہ تحریکاتِ حاضرہ میں نہایت سرگرمی سے کام کررہے تھے، ان سے گفتگو ہوئی۔

میں نے کہا کہ مسلمان نے جو طریقہ کار اختیار کررکھا ہے، مجھ کو اس سے اختلاف ہے میں نے طریقہ کی قید اس لئے لگائی کہ مقاصدِ شرعیہ اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبود سے کون ایسا مسلمان ہے جس کو اختلاف ہو۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مسلمانوں نے تدابیرِ غیرمشروعہ (یعنی غیرشرعی طریقوں) کو اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہے۔ اس صورت میں اول تو کامیابی مشکل ہے اور اگر ہو بھی گئی تو ہندوؤں (غیرمسلموں) کو ہوگی اور اگر مسلمانوں کو بھی ہوئی، تو ہندو نما (غیرمسلموں کی طرح کے) مسلمانوں کو ہوگی، تم جیسے مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوگی۔ [1]

اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مسلمان لیڈر نے اپنی تقریر میں یہ بیان کیا کہ اسلام کوئی ضروری چیز نہیں، ضروری چیز ترقی ہے۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بھیجا۔ فرعون تو ترقی یافتہ تھا، اس میں کمی کس چیز کی تھی، حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کررہا تھا، پھر کسر کس چیز کی تھی۔ ایمان ہی کی تو کسر تھی۔

عرض کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ مسلمانوں کے واسطے جو زندہ ہیں، ان کے لئے باہم اتفاق کی اور کفار پر غلبہ کی دعاء اور جو مردہ ہیں، ان کے لئے مغفرت کی دعاء اور کچھ نہیں ہوسکتا، میں یہ سب کچھ تجربات کی بناء پر عرض کررہا ہوں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر کرکے کہہ رہا ہوں۔

میں یہ چاہتا تھا کہ قصبات اور دیہات میں کم سے کم مسلمانوں کی پنچائتیں قائم ہوجائیں، یہ محض اس لئے کہ موقع اور وقت پر مدافعت (دشمنوں کا مقابلہ) کرسکیں، اپنی

[1] اس وقت ہندو اور بہت سے مسلم باہم مل کر تحریک چلا رہے تھے، اور ترقی ترقی پکارتے تھے۔

www.idaraghufran.org

حفاظت کرسکیں، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

سو یہ تو مسلمانوں کی حالت ہے، جب اتنا بھی نہیں کرسکتے، تو آگے ان سے کیا امید ہوسکتی ہے اور کیا ان کے بھروسہ کوئی کام کیا جاسکتا ہے۔

ان تحریکات میں میری عدمِ شرکت (میری شرکت نہ کرنے) کی منجملہ اور وجوہ کے (یعنی دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ) ایک وجہ یہ بھی ہے، یعنی مسلمانوں کی حالت سے کچھ امید نہ ہونا، چنانچہ بہت سے حضرات نے کام کرکے تجربہ کرلیا اور تحریک سے علٰیحدگی اختیار کرلی'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۸ ص۳۳۳، ۳۳۴ ملفوظ نمبر۴۷)

ایک مقام پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جن چیزوں کی حاجت (وضرورت) خیرالقرون میں نہ ہوئی ہو اور خیرالقرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص (قرآن وحدیث) ان کے خلاف نہ ہوں، وہ تو مسکوت عنہا (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہ لگایا ہو بلکہ سکوت رکھا ہو) ہوسکتی ہیں، لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص (قرآن وحدیث) میں صرف جہاد، یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے، یہ مسکوت عنہ (جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) نہ ہوگا (بلکہ) منہی عنہ (ممنوع) ہوگا کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا، اختیار نہیں کیا، تو اجماع ہوا، اس کے ترک پر، اس لئے ممنوع ہوگا۔

علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے، جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لئے حدود کی ضرورت ہے، ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے، سو اس (حدود کی رعایت) کا تحفظ کون کرے گا، یا کون کرائے گا؟...... اگر تدابیرِ جدیدہ (موجودہ نئے طریقے اور تدبیریں) جائز بھی ہوں، تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہو، تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے، بلا امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا'' (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج۱ ص۱۱۰، ۱۱۱، ملفوظ نمبر۱۱۶)

معلوم ہوا کہ اولاً تو خیرُ القرون کے بعد ایجاد شُدہ اسلامی نفاذ اور حکومت کے قیام اور کفار وفساق

www.idaraghufran.org

کے مقابلہ کے لئے ،احتجاجوں اور ہڑتالوں، مروّجہ طریقے اور تدبیریں، شریعت کے خلاف ہیں، اور یہ طریقے اور تدبیریں غیر قوموں سے لی گئی ہیں، اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور باوجودیکہ خیرُ القرون اور اسلاف کے زمانے میں بھی ان کی ضرورت تھی، مگر پھر بھی ان طریقوں اور تدبیروں کو اختیار نہیں کیا گیا، اس لیے ان کو غیر منصوص وغیر مشروع تدابیر قرار دیا جائے گا، اور ان کا اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، اور جو تدبیریں ایسی ہوں کہ ان میں کوئی گناہ لازم نہ آتا ہو، نہ تو غیروں کی مشابہت کا اور نہ ہی کسی اور قسم کا تو ان کو تدابیر مباحہ قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن ان میں بھی اگر غلو کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹا کر انہیں چیزوں پر کامیابی وترقی کا مدار رکھا جائے، یا ان تدابیرِ مباحہ میں تدابیرِ محظورہ وممنوعہ شامل ہوجائیں، یا ان میں کسی اور طرح کا محظور اور گناہ شامل ہوجائے، تو ان سب صورتوں میں بھی ان کو ناجائز قرار دیا جائے گا، خواہ ان سے کچھ فوائد بھی حاصل ہوں۔

اور آج کل یا تو غیر مشروع اور خلافِ شرع تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، یا تدابیرِ مباحہ میں عوام غلو اور حد سے تجاوز کرکے محظورات وممنوعات کا ارتکاب کرتے ہیں، اور حدود کی رعایت وپاسداری نہیں کرتے، اس لیے ان کی بھی اس وقت تک اجازت نہیں دی جاسکتی، جب تک ان کی پابندی کرانے والا کوئی امیر عادل سر پر موجود نہ ہو۔

ایک مقام پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ’’خیرالقرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ اور عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کے وقت صبر، اس کے سِوا سب من گھڑت تدابیر ہیں، اس لیے ان میں خیر و برکت نہیں ہوسکتی اور جب خیر وبرکت نہ ہو اور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہوجائیں، تو اس کامیابی پر کیا خوشی، جو اللہ اور رسول کی مرضی کے خلاف تدابیر اختیار کرکے کامیابی حاصل کی جائے اور حسی (ظاہری) کامیابی کا ہوجانا، تو کوئی کمال کی بات نہیں، اس لیے کہ ایسی کامیابی کافروں کو بھی ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو مگر خدا راضی ہو اور اگر حکومت ہوئی اور اُن کی مرضی کے خلاف ہوئی، وہ راضی نہ ہوئے، تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا۔ بس ان کے

راضی کرنے کی فکر کرو،ان سے صحیح معنیٰ میں تعلق کو جوڑو،احکام اوراحکامِ اسلام کی پابندی کرو،ان بتوں (یعنی اللہ ورسول کے خلاف طریقوں) کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا،اب خدا کے سامنے سر رکھ کراوراس سے اپنی حاجت اورضروریات کو مانگ کربھی دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے؟ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۵ ص۱۹۵و۱۹۶)

اورایک مقام پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’آج کل لوگ دن رات ترقی ترقی پکارتے ہیں،مگر ترقی کا جو صحیح راستہ ہے،اس سے دور ہوتے جاتے ہیں،ان نام نہاد لیڈروں کے قلوب (دلوں) میں یہ خیال روز بروز راسخ ہوتا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی بھی انہیں اصول وضوابط سے ہوسکتی ہے،جن سے دوسری اقوام اس زمانہ میں ترقی کررہی ہیں،حالانکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق (غلط قیاس) ہے،کیونکہ مسلمانوں کی حقیقی ترقی تو وہ ہے،جس میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو،دین کا بول بالا ہو،اسلام کا عروج ہو،اورظاہر ہے کہ یہ ترقی اسلامی اصول وضوابط ہی کی پابندی سے ہوسکتی ہے،ان کو چھوڑ کر دوسری اقوام کی پیروی سے مسلمانوں کی ترقی ناممکن ہے،غیرقوموں پر قیاس کرنا ،بالکل صحیح نہیں،کیونکہ ان کے نزدیک تو دنیاوی دولت ہی کا نام ترقی ہے......لیڈر مسلمانوں کی ترقی کو دیگر قوم کی ترقی پر قیاس کررہے ہیں،لیکن اگر مسلمان نے غیر مسلم کا طریقہ اختیار کیا،تواورگڑھے میں گرے گا،اوررہی سہی بھی کھو بیٹھے گا،ہاں غیر مسلم اس طریقہ سے ترقی اختیار کرسکے گا......یقین کیجئے مسلمانوں کی ترقی اورفلاح رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے،بغیر رضائے الٰہی ہر قسم کی ترقی تنزل ہے،اوررضائے الٰہی کا حصول ،اسلام ہی کی پابندی پر موقوف ہے،ہرشخص کو چاہئے کہ حتی الامکان احکامِ شرعیہ کی ظاہراً وباطناً پابندی کرے،خدائے عزوجل کے سامنے گریہ وزاری کرے،گڑگڑائے،اس طرزِ عمل سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی مسلمانوں کی حالت روبہ اصلاح ہونے لگے گی،اورپھر ترقی مطلوب تک پہنچنا دشوار نہ رہے گا(اسعد الابرار،ملفوظاتِ حکیم الامت جلد نمبر۲۵ ص۱۸۶،۱۸۷،ملفوظ نمبر۹۸ ملخصاً)

www.idaraghufran.org

معلوم ہوا کہ موجودہ تحریکات میں جو احتجاج اور ہڑتالوں وغیرہ کے نئے طریقے نکالے گئے ہیں، اولاً تو شرعاً ان کا جائز ہونا ہی قابلِ غور ہے اور اگر جائز مان بھی لیا جائے ،تب بھی ان طریقوں کو اختیار کرنے کی صورت میں شرعی حدود وقیود اور پابندیوں کی عوام سے رعایت کا ہونا مشکل ہے، اس لئے پھر بھی ضرورت ہوگی کہ ان کے سر پر کوئی ایسا امیر اور بڑا موجود ہو، جو خود بھی ان شرعی پابندیوں کی رعایت کرے اور دوسروں سے بھی کرائے، کیونکہ ایسا کیے بغیر عوام سے پابندیوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

واقعی آج کل کے عوامی مظاہروں، ہڑتالوں، ریلیوں اور ملین مارچ وغیرہ جیسے جدید طریقوں میں حدود سے تجاوز،اور غیر شرعی حرکتوں کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا جاسکتا ہے ،اوّلاً تو کوئی بڑا سر پر ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے، تو اس کی کون سُنتا ہے، کیونکہ آج کل تو بڑے اور امیر برائے نام مقرر کیے جاتے ہیں، ان کی اطاعت واتباع مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ آج کل کے عام بڑوں کو بھی خود شرعی پابندیوں اور حد بندیوں کا علم نہیں ہوتا، ایسے میں وہ بڑا کیا خاک پابندی کرائے گا؟

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط 100 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت موسیٰ اور خضر (حصہ اول)

حضرت موسیٰ السلام اور خضر کے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح سے آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ کے علم میں اپنے سے زیادہ علم والا کوئی تھا نہیں، اس لئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ علم والا ہوں۔ [1]

اللہ تعالیٰ اپنے مقرب انبیاء علیہم السلام کو خاص تربیت دیتے ہیں، اس لیے یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، کیونکہ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے، یعنی یہ کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ساری مخلوق میں زیادہ علم والا کون ہے۔

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ جن علوم کو ہدایت اور قربِ الٰہی کے حصول میں دخل ہے، ان علوم میں کوئی میرے برابر نہیں، اور یہ کلام باعتبار معنیٰ اور مقصود کے صحیح تھا، کیونکہ آپ اللہ کے اولوالعزم رسول تھے، اور کلیم اللہ تھے، اور صاحبِ توراۃ تھے اور صاحبِ معجزاتِ عظیمہ تھے، اس وقت روئے زمین پر آپ سے بڑھ کسی کو علومِ ہدایت کی معرفت حاصل نہ تھی، مگر لفظ ظاہراً مطلق تھا، مقامِ رسالت کے مناسب یہ تھا کہ علی الاطلاق اپنے کو سب سے بڑا عالم نہ کہتے، سب سے زیادہ علم کی نسبت خداوند ذوالجلال کی طرف مناسب تھی، مقربین کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی بات پر بھی باز پرس ہوجاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے برگزیدہ بندے کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دی جائے، موسیٰ علیہ السلام کا جواب اگرچہ باعتبار معنیٰ اور مقصود کے صحیح تھا، لیکن حق تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے اس لیے کہ جواب کے ظاہری عموم اور اطلاق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ موسیٰ اعلم الناس ہیں، اس لیے بغرضِ تادیب وتنبیہ یہ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ ''مجمع البحرین'' میں ہے، وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ تم سے زیادہ ہے گو ان علوم کو قُربِ الٰہی اور رضائے خداوندی کے حصول میں دخل نہ ہو؛ لہٰذا سائل کے جواب میں اپنے کو مطلقاً اعلمُ الناس کہنا مناسب نہ تھا، بلکہ مناسب یہ تھا کہ جواب کو خدا تعالیٰ کے علمِ محیط پر محوّل کرتے، اور کہتے کہ ''اللہ اعلم'' کہ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے، اللہ کے بہت سے مقبول اور مقرب بندے ہیں، سب کی خبر اس کو ہے، اور اسی کو معلوم ہے کہ اس نے اپنے خزانۂ غیب میں سے کس کو کون سا علم عطا کیا ہے؟ فوق کل ذی علم علیم (معارف القرآن کاندھلوی، جلد ۴ صفحہ ۶۱۹، سورہ کہف)

اس وجہ سے حضرت موسیٰ کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا، اور حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ ہمارا ایک بندہ "مجمع البحرین" پر ہے، وہ آپ سے زیادہ علم والا ہے، موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا، تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جب وہ مجھ سے زیادہ علم والا ہے، تو مجھے ان سے استفادہ کے لیے سفر کرنا چاہیے، اس لیے عرض کیا کہ مجھے ان کا نشان و پتہ بتلا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مردہ مچھلی اپنے سامان کے تھیلے میں رکھ لو، اور "مجمع البحرین" کی طرف سفر کرو، جس جگہ پہنچ کر یہ مچھلی زندہ ہو جائے، وہی جگہ ہمارے اس بندے کے ملنے کی ہے۔ [1]

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک مچھلی تھیلے میں رکھ لی، اور اپنے ساتھ ایک نوجوان خادم یوشع بن نون کو بھی لے لیا، اور سفر شروع کر دیا، اور اپنے خادم یوشع بن نون سے فرمایا کہ بس تمہارے ذمہ اتنا کام کرتا ہوں کہ جہاں یہ مچھلی جدا ہو جائے، اس وقت ہمیں بتا دینا۔

قرآن مجید کی سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتَاهُ لَآ أَبْرَحُ حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (سورة الكهف، رقم الآية ٦٠)

یعنی "اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا، جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا"

"مجمع البحرین" یعنی "جہاں دو دریا ملتے ہیں" سے کون سے دریا مراد ہیں؟ دنیا میں ایسی جگہ بے شمار ہیں، جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں، قرآن وحدیث میں چونکہ اس کا تعین نہیں فرمایا

---

[1] صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حدثنا الحميدى، حدثنا سفيان، حدثنا عمرو بن دينار قال: أخبرنى سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس: إن نوفا البكالى يزعم أن موسى صاحب الخضر ليس هو موسى صاحب بنى إسرائيل، فقال ابن عباس: كذب عدو الله، حدثنى أبى بن كعب: أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن موسى قام خطيبا فى بنى إسرائيل، فسئل: أى الناس أعلم؟ فقال: أنا، فعتب الله عليه إذ لم يرد العلم إليه، فأوحى الله إليه: إن لى عبدا بمجمع البحرين هو أعلم منك، قال موسى: يا رب فكيف لى به؟ قال: تأخذ معك حوتا فتجعله فى مكتل، فحيثما فقدت الحوت فهو ثم، فأخذ حوتا فجعله فى مكتل، ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع بن نون، الخ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٤٧٢٥، كتاب تفسير القرآن، سورة الكهف، صحيح مسلم ٢٣٨٠ "١٧٤")

www.idaraghufran.org

گیا،اس لیے مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ [1]

لیکن چونکہ قرآن وحدیث نے اس مقام کو مبہم انداز میں بیان کیا ہے،اور کسی مقام کی تعیین نہیں کی، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کو ''ابھموا ما ابھمه القرآن'' کے کلیہ کے مطابق مبہم ہی رہنے دیا جائے کہ وہ کوئی جگہ ایسی تھی، جو دوسمندروں کے سنگم پر واقع تھی،اور اس تعین وتخصیص کے پیچھے نہ پڑا جائے کہ وہ جگہ کون سی اور کہاں تھی، کیونکہ اس تعین پر کوئی خاص فائدہ،اور مقصد موقوف نہیں، اور اگر اس کا بیان ضروری ہوتا،تو اللہ تعالیٰ اس کو خود بیان فرما دیتے،اور اس کو یوں مبہم نہ رہنے دیتے''والعلم عنده سبحانه وتعالیٰ وهو اعلم باسرار کلامه''

---

[1] حضرت قتادہ نے فرمایا کہ بحر فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے،ابن عطیہ نے آذربائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا،بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے،بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے،حضرت ابی ابن کعب سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔

قال قتادة: وهو بحر فارس والروم، وقاله مجاهد .قال ابن عطية: وهو ذراع يخرج من البحر المحيط من شمال إلى جنوب فى أرض فارس من وراء أذربيجان، فالركن الذى لاجتماع البحرين مما يلى بر الشام هو مجمع البحرين على هذا القول .وقيل: هما بحر الأردن وبحر القلزم .وقيل: مجمع البحرين عند طنجة، قاله محمد بن كعب .وروى عن أبى بن كعب: أنه بأفريقية .وقال السدى: الكر والرس بأرمينية .وقال بعض أهل العلم: هو بحر الأندلس من البحر المحيط، حكاه النقاش، وهذا مما يذكر كثيرا(تفسير القرطبى ج ١١ ص ٩، سورة الكهف)

ومجمع البحرين ملتقى بحر الفارس والروم مما يلى المشرق كذا قال قتادة وقال محمد بن كعب طنجه وقال ابى بن كعب افريقية (التفسير المظهرى، ج٦ ص ٤٦، سورة الكهف)

وذكر أبو حيان أن مجمع البحرين على ما يقتضيه كلام ابن عطية مما يلى بر الشام، وقالت فرقة منهم محمد ابن كعب القرظى: هو عند طنجة حيث يجتمع البحر المحيط والبحر الخارج منه من دبور إلى صبا، وعن أبى أنه بإفريقية، وقيل البحران الكر والرس بأرمينية وروى ذلک عن السدى، وقيل بحر القلزم وبحر الأزرق، وقيل هما بحر ملح وبحر عذب وملتقاهما فى الجزيرة الخضراء فى جهة المغرب(روح المعانى، ج٨ص ٢٩٤، سورة الكهف)

www.idaraghufran.org

طب وصحت حکیم مفتی محمد ناصر

بھول، نسیان اور اختلاط کا مرض اور اس کا علاج

نسیان(Amnesia) بھولنے کے مرض کا نام ہے، یہ ایک عام مرض ہے، نسیان یا ذہن کا اختلاط ایسی بیماری اور مرض ہے، جس میں آنکھوں سے چیزیں اوجھل ہونے کے بعد ان کی شکل وصورت یاد نہیں رہتی، اور دماغ کی حافظے کی طاقت خراب ہوجاتی ہے، اسی طرح سوچ بچار صحیح طرح کام نہیں کرتی، چیزوں کے بھول جانے کو نسیان سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور مختلف چیزوں کے آپس میں خلط ملط ہونے کی حالت کو اختلاط سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس مرض میں مبتلا مریض عموماً دیکھی یا سُنی ہوئی باتیں بھول جاتا ہے۔

نسیان کے مقابلہ میں ذہانت (Intelligent) ہے، ذہانت روح کی طرح ایک مبہم لفظ ہے، جس کا اندازہ ذہین انسان کی شخصیت اور اس کے کردار سے ہوجاتا ہے۔

نسیان کے مرض کا تعلق انسانی دماغ سے ہے، اس لئے دماغ کی حفاظت اور دماغ کو طاقت دینے والی غذائیں اس مرض میں مفید ہوتی ہیں۔

پرانی کہاوت ہے کہ جن لوگوں کا دماغ بڑا ہوتا ہے، وہ چھوٹے دماغ والے لوگوں کی نسبت زیادہ ذہین ہوتے ہیں، عام طور پر دماغ کا وزن مَردوں میں ایک سے ڈیڑھ کلو، اور عورتوں میں ساڑھے سات سو گرام سے ایک کلو تک پایا جاتا ہے۔

اسباب وعلامات: مزاج کے اعتبار سے بھول کے مرض اور دماغ کی کمزوری کے دو بنیادی اسباب ہیں، ایک سرد مزاج کی زیاتی، اور دوسرے گرم مزاج کی زیادتی۔

تھوڑی سی دماغی محنت کرنے سے ایسے مریض کے سر میں درد ہونے لگتا ہے، چکر آتے ہیں، اور آنکھوں کے نیچے اندھیرا آجاتا ہے، ایسے مریض کو نیند زیادہ آتی ہے، ناک اور منہ سے رطوبت باربار نکلتی ہے، زبان کا ذائقہ پھیکا ہوتا ہے، اس کے علاوہ غذاؤں میں لہسن، پیاز، مسور کی دال، لوبیا، گوبھی، ہرا دھنیا وغیرہ کثرت سے کھانا بھی جسم میں بادی پن پیدا کرتا ہے، جس سے دماغ کی

قوتیں سرد ہونا شروع ہوجاتی ہیں،اور بھول واختلاط کا مرض پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

نیز آج کل کے نوجوانوں میں غم وغصہ کی کثرت، مایوسی اور رنج وفکر میں مبتلا رہنا، دن کے وقت سونا، مباشرت کی کثرت اور منشیات اور شراب نوشی وغیرہ بھی بھول اور اختلاط کے مرض کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے اسباب میں سے ہیں۔

پرہیز: اس قسم کے مریض کو اگر زکام اور نزلہ رہتا ہو، تو وہ ٹھنڈے پانی کے استعمال، اور ٹھنڈے پانی کے غسل سے پرہیز کرے، اور سرد وٹھنڈی ہوا سے بچے، بالخصوص اپنے سَر کو ٹھنڈی ہوا سے محفوظ رکھے، ٹھنڈی تاثیر والے پھلوں مثلاً بیر، مالٹا، کینوں، ناشپاتی اور سیب وغیرہ نہ کھائے، اور اگر مرض گرم مزاج کی زیادتی سے ہوتو مریض گرم تاثیر والی چیزوں سے پرہیز کرے، مثلاً چائے، لہسن، پیاز، اور تبخیر پیدا کرنے والی غذائیں نہ کھائے، مباشرت سے احتیاط کرے۔

اس کے علاوہ معدہ کی خرابی اس مرض کے لئے نہایت نقصان دہ ہے، نہار منہ پانی پینے کی عادت بنالینا بھی اس مرض میں مفید نہیں۔

علاج: نسیان اور اختلاط کے علاج کے لئے دیسی ادویہ میں ہلیلہ سیاہ کا سفوف، روغن بادام میں فرائی کرکے صبح وشام آدھا چائے والا چمچ ہمراہ دودھ کھانا ذہن اور دماغ کے لئے نہایت اعلیٰ دواء ہے، بعض مشاہدات کے مطابق جن لوگوں نے جوانی سے ساٹھ، ستر سال کی عمر تک مذکورہ یا اس طرح کے مقوی دماغ مغذیات (مثلاً بادام، اخروٹ، پستہ، سیاہ مرچ، کھجور وغیرہ) کا استعمال رکھا، ان کی دماغی قوتیں مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ بال بھی سیاہ رہے، اور دانت بھی درست رہے، اور نظر بھی قوی رہی، ایسے حضرات بڑھاپے تک بغیر عینک کے لکھتے پڑھتے دیکھے گئے۔

اس کے علاوہ کچھ مشقیں اور ورزشیں بھی ہیں، جن پر عمل کرنے سے دماغ وذہن خاصے قوی ہوجاتے ہیں، جیسے پانچ سے پندرہ منٹ تک سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کرنا، سوتے وقت پائتی اونچی رکھنا، سر میں روغنِ بادام لگانا وغیرہ، مزید براں صبح یا شام باغ کی سیر وتفریح کرنا اور خوشبودار پھولوں کا سونگھنا اس مرض میں مفید ہے، کیونکہ اس سے دماغ میں رطوبت اور فرحت آتی ہے، اور حافظہ قوی ہوتا ہے، مزید یہ کہ ایسے مریض کے لئے خوش مزاج، اور سمجھدار لوگوں کے ساتھ گفت وشنید کرنا اور ان کے ساتھ مجالست کرنا بھی فائدہ مند ہوتا ہے۔

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□...... 18/رمضان، انیسویں شب میں حافظ محمد عفان اور حافظ محمد لقمان صاحبان (ابنی مفتی صاحب مدیر) کا جناب فرقان خان صاحب (برادر مفتی صاحب) کی رہائش گاہ میں تراویح میں تکمیلِ قرآن ہوا۔

□...... 19/رمضان، بیسویں شب میں حضرت مدیر صاحب اور مولانا محمد ریحان صاحب (ابنِ مفتی صاحب مدیر) کا مسجدِ غفران میں تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا۔

□...... 20/رمضان، اکیسویں شب روات میں واقع ادارہ غفران کی شاخ کی مسجد میں مولانا طارق محمود صاحب اور قاری فرحان اللہ صاحب کا تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا۔

□...... 23/رمضان، چوبیسویں شب میں مسجد قائم دین (کالج روڈ) میں تراویح میں تکمیلِ قرآن کے موقع پر مفتی صاحب مدیر کا بیان ہوا، اس شب مسجد نسیم میں بندہ محمد ناصر کا تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا۔

□...... 24/رمضان، پچیسویں شب میں قاری فہد رضا عباسی صاحب کی دعوت پر، ان کے مدرسہ اصحابِ صفہ وجامع مسجد ریاض الجنۃ (سرسید چوک) میں تراویح میں تکمیلِ قرآن کے موقع پر مفتی صاحب مدیر کا بیان ہوا۔

□......یکم شوال/ بروز ہفتہ، مسجدِ غفران میں عیدُ الفطر کی نماز حضرت مدیر صاحب نے اور مسجد نسیم میں بندہ محمد ناصر نے صبح ساڑھے سات بجے پڑھائی۔

□...... 4/شوال بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، مفتی صاحب مدیر نے جناب جاوید اختر بھٹی صاحب کی بیٹی صاحبہ کا اسلام آباد میں ایک مقام پر نکاح پڑھایا۔

□...... 6/شوال بروز پیر، مفتی صاحب مدیر کا مع چند اراکینِ ادارہ کے جناب ڈاکٹر فواد احمد صاحب سے اُن کے والد صاحب کی تعزیت کے لئے اٹک جانا ہوا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرتِ کاملہ فرمائیں۔ آمین

□...... 8/شوال بروز بدھ، ماہنامہ التبلیغ کے ناظم، مولانا عبدالسلام صاحب سفرِ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ موصوف کے سفرِ عمرہ کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

□...... 11/شوال، بروز ہفتہ سے ادارہ میں معمولات کا آغاز ہوا، اور تعلیمی شعبہ جات میں قدیم داخلوں کی تجدید کا سلسلہ ایک ہفتہ تک، اور اس کے بعد حسبِ گنجائش جدید داخلے ہوئے۔

□...... 11/شوال، بروز ہفتہ بعد مغرب مفتی سفیان بلند صاحب (دارالریان اکیڈمی، کراچی)، مولانا طلحہ صاحب، مولانا بلال صاحب بعض دیگر رفقاء کے ساتھ، مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے دارالافتاء میں

تشریف لائے، اور طویل علمی گفتگو ہوئی۔

❑...... 18/شوال (27/اپریل2024) بروز ہفتہ سے ادارہ غفران میں اجتماعی قربانیوں کی بکنگ کا سلسلہ شروع کیا جانا طے پایا ہے، اس سال بڑے جانوروں میں دو قسم کے حصے درجِ ذیل نرخوں کے مقرر کیے گئے ہیں:

عام حصہ: 22,500 روپے　　متوسط حصہ: 27500 روپے

بکرا　　50,000 روپے

حج وعمرہ تربیتی کورس

حج وعمرہ کے سفر پر جانے والے حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حسبِ سابق اس سال بھی مفتی محمد رضوان صاحب کی زیرِ نگرانی، ادارہ غفران ٹرسٹ کے زیرِ انتظام حج وعمرہ تربیتی کورس منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ اہم احکام ومسائل اور آسان طریقۂ حج وعمرہ کی تعلیم وتربیت دی جائے گی۔ عازمینِ حج وعمرہ شرکت فرما کر مستفید ہوں۔

خواتین کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔

آغاز	یکم/مئی	بروز بدھ
اختتام	2/مئی	بروز جمعرات
بوقت	دن 10 بجے	تا12 بجے
بمقام	ادارہ غفران، چاہ سلطان	راولپنڈی